مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
مشرف علی تھانوی

مدیر
خلیل احمد تھانوی

شمارہ ۸	ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ / جولائی ۲۰۰۱ء	جلد ۲

المریع فی الربیع

(ذکر رسولؐ ایک دائمی بہار)

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۱۰ روپیہ
زر سالانہ =/۱۰۰ روپے

پتہ دفتر۔ ماہنامہ الامداد
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر ۴۴۸۰۶۰
۵۴۴۲۲۱۳

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

المریع فی الربیع

(ذکر رسولؐ ایک دائمی بہار)

حضورؐ کے حقوق کے متعلق یہ وعظ بروز جمعہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کو جامع مسجد کانپور میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا جو ۲ گھنٹے میں ختم ہوا حاضری ۵۰۰ کے قریب تھی حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری نے قلمبند کیا۔

خوش نصیب والدین

آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ جامعہ کے تعلیمی سال ۲۰۰۱ء کی پہلی ششماہی میں ۲۵ بچوں کے حفظ قرآن کی تکمیل ہوئی خصوصاً ایک بچے حافظ خبیب احمد ولد مقبول احمد نے صرف ایک سال ایک ماہ میں قرآن پاک ختم کر کے ایک عمدہ مثال قائم کی۔

جامعہ ہی کے کم سن حافظ قاری فضل الرحمن ولد مفتی بشیر احمد صاحب نے محکمہ اوقاف پنجاب کے مقابلہ حسن قراءت میں پورے پنجاب سے اول پوزیشن حاصل کی۔

ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

الملقب بہ

المریع فی الربیع

(ذکرِ رسولؐ ایک دائمی بہار)

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ، نستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمّداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلّم-اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم- بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم-قد انزل اللّٰہ الیکم ذکرا☆ رسولا یتلوا علیکم ایٰت اللّٰہ مبیّنٰت لیخرج الذین امنوا و عملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور ومن یؤمن باللّٰہ ویعمل صالحا یدخلہ جنٰت تجری من تحتہا الانہٰر خٰلدین فیہا ابدا قد احسن اللّٰہ لہ رزقا(۱)

حقیقتِ ادائے حق

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے-اس کی تلاوت پر اس لئے اکتفا کیا گیا کہ اس

---

(۱) سورۃ الطلاق آیت ۱۰، ۱۱

وقت اس جزوِ آیت ہی کا صرف بیان مقصود ہے۔حق تعالیٰ نے اس آیت کے جزو میں حضور ﷺ کی تشریف آوری کے حقوق اور برکات بیان فرمائے ہیں۔ وجہ اس بیان کے اختیار کرنے کی اس وقت یہ ہے کہ بعض محبین (۱) کی عادت ہے کہ وہ اس زمانہ میں تذکرہ کیا کرتے ہیں حضور ﷺ کے فضائل کا، اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے۔ مگر اس کے ساتھ جو ان کو غلطی واقع ہوئی ہے اسکا رفع (۲) کرنا ضروری ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے اور نیز دوسری نصوص (۳) میں غور ونظر کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا واجب ہے اور ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق ادا کئے جاویں۔ ایک کیا اور ایک نہ کیا، اس سے ادائے حق نہیں ہوتا۔ علم کی کمی سے مختلف قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ بعض دوسرے کو اور بعض تیسرے کو ادا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے ادائے حق کر دیا۔ حالانکہ ادائے حق کے معنی یہ ہیں کہ تمام حقوق کی رعایت کی جائے۔

مثلاً باپ کا حق یہ ہے کہ اس کا ادب بھی کرے، اطاعت بھی کرے، اس کیلئے دعا بھی کرے اس کی تعظیم بھی کرے، اگر اسکو حاجت (۴) ہو تو خدمت بھی کرے اور مثلاً بادشاہ کا حق یہ ہے کہ اس کا ادب کرے، اس کے احکام کو مانے، اس کی عظمت دل میں ہو، اس کی اطاعت کرے۔ اب اگر کوئی اس کی تعظیم نہ کرے یا اطاعت نہ کرے یا احکام کو نہ مانے تو اس نے بادشاہ کا حق ادا نہیں کیا۔

مثلاً جب گفتگو کرتا ہے تو نہایت خلاف ادب۔ یا تعظیم وتکریم تو اس قدر کرتا ہے کہ پچھلے پاؤں (۵) ہٹا جاتا ہے مگر قانون کے خلاف کرتا ہے تو قانون کی کچھ پرواہ

(۱) محبت کرنے والوں کی (۲) دور کرنا (۳) دوسری یہ بات میں (۴) ضرورت (۵) الٹے پیروں ہٹنا ۔

نہیں کرتا۔ ہاں زبان سے بادشاہ کی مدح وثناء(۱) خوب کرتا ہے اور اس کی متعلق مختلف جلسوں میں خوب تقریریں کرتا ہے، اور اگر کوئی کہتا ہے تو جواب میں یہ کہتا ہے کہ جو میں کرر ہا ہوں میرے نزدیک ادائے حق ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس عذر کو قبول نہیں کرے گا، بلکہ سب سے بڑا حق تو سلطان کا رعایا پر یہی ہے کہ اس کی مخالفت نہ کی جائے۔ غرض یہ تو ادائے حقوق کی حقیقت ہے۔

اب سمجھئے کہ حقوق میں تفاوت (۲) ہوتا ہے۔ باپ کا اور حق ہے، ماں کا اور بی بی کا اور، بیٹے کا اور، بہن کا اور، رسول کا اور، خدا کا اور۔ یہ قاعدہ سب میں مشترک ہے کہ ادائے حق اسی کو کہیں گے جو سب حقوق ادا کئے جائیں۔ مثلاً باپ کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم بجالانا، اطاعت کرنا، اس کی خدمت کرنا، اس کی مدح کرنا، دعا کرنا، ادب سے گفتگو کرنا، مگر بیٹے کی حالت یہ ہے کہ نہ اس کی تعظیم بجالاتا ہے، نہ اطاعت کرتا ہے، نہ دعا کرتا ہے، مگر ہاں! مجمعوں میں باپ کی مدح وثنا خوب کرتا ہے تو کیا اس کو کہا جاوے گا کہ وہ باپ کا حق ادا کرتا ہے؟ اگر باپ کہتا ہے کہ بیٹا اٹھ کر پانی دے دو۔ تو یوں جواب دیتا ہے کہ میں نے آپ کی بہت سی تعریفیں کردی ہیں اب مجھے ضرورت اطاعت (۳) کی نہیں رہی میں خدمت نہ کروں گا۔ یہ کہاں کی علت (۴) لگائی کہ میں یہ باتیں بھی کروں۔ ظاہر ہے کہ کوئی عاقل اسکو ادائے حق نہ کہے گا۔ علی ہذا اور حقوق کے بارے میں بھی ایسا ہی کہہ دے۔

ان مثالوں سے معلوم ہوگیا کہ بعض حق ادا کرنے سے حق ادا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ کے جو حقوق ہیں تو ان کو ادا کرنے والا وہی شخص سمجھا جاوے گا جو سب

(۱) تعریف وتوصیف (۲) فرق (۳) فرمانبرداری (۴) یہ کیا بات ہوئی کہ میں یہ باتیں بھی کروں اور خدمت بھی

حقوق ادا کرے گا اور کسی شخص کے اس طرز کو کافی نہ سمجھا جائے گا کہ ایک حق ادا کرے اور باقی کو چھوڑ دے۔ جب یہ سمجھ میں آ گیا تو اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور ﷺ کے حقوق پہچانے جائیں۔

حقوق الرسول ﷺ

اس بات میں اس وقت تین جماعتیں ہیں۔ کثرت سے وہ لوگ ہیں کہ ان کو حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے اور وہ حضور ﷺ کے زبانی فضائل بیان کرنے کو کافی سمجھتے ہیں، نہ اطاعت سے بحث ہے نہ ان کے دل میں حقیقی محبت ہے نہ تعظیم ہے۔ تین حقوق تھے حضور ﷺ کے۔ ایک حق اطاعت ایک حق محبت، ایک حق عظمت۔ سو زیادہ حصہ تو ان لوگوں کا ہے جو صرف زبانی محبت پر اکتفا کرنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ ان کو حضور ﷺ کا ذکر مبارک کرنے دیا جاوے۔ باقی جتنا اہتمام ذکر کا ہوتا ہے اطاعت کا نہیں ہوتا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اطاعت کرتے تو علماء سے رجوع کرتے۔ ان سے مسائلِ دین پوچھتے۔ حضور ﷺ کے ذکر کا طریق دریافت کرتے، ان سے احکام کی تحقیق کرتے مگر دیکھا جاتا ہے کہ اسکا ذکر بھی نہیں۔ سو(۱) زیادہ لوگ تو اسی قسم کے ہیں۔ اس واسطے ضرورت اس کی ہوئی کہ اس غلطی کو رفع کر دیا جائے۔

محبت بے شک بڑا حق ہے حضور ﷺ کا اور اسکا مقتضا(۲) یہ بھی ہے کہ اطاعت کی جائے اسی کا مقتضا یہ ہے کہ تعظیم کی جائے۔ چنانچہ دنیا میں جس سے محبت و خلوص ہوتا ہے اس کا کہنا مانا جاتا ہے۔ اس کی عظمت قلب(۳) میں ہوتی ہے۔ خود اس

---

(۱) پس (۲) تقاضا (۳) بڑائی دل میں ہوتی ہے۔

کی محبت کا تقاضا ہے کہ اس کی مرضی کیخلاف نہ کیا جائے خواہ اس کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو۔

مجھے خوب یاد ہے کہ مجھ کو ایک ادنیٰ اچکن (۱) میں رفو (۲) کرانے کی ضرورت تھی۔ ایک دوست سے میں نے کہا کہ کسی کاریگر سے رفو کرادو اور اجرت پوچھ کر بتلادو۔ چنانچہ انہوں نے رفو کرنے کیلئے وہ اچکن کاریگر کو دے دی۔ جب رفو ہو کر آگیا تو میں نے اجرت (۳) پوچھی تو کہا کہ اجرت اس نے نہیں بتلائی۔ پھر میں نے تقاضا کیا تو کہا کہ وہ بتلاتا نہیں۔ میں نے اصرار کیا کہ پوچھ کر آئے مگر ٹالتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے پاس سے اجرت دے دی تھی۔ اور ظاہر تک نہیں کیا۔ محبت سے تو غرض یہ ہوتی ہے کہ محبوب کا دل ٹھنڈا ہو۔ اسے راحت ہو، اس لئے خبر ہونے کی بھی ضرورت نہیں اور جہاں خبر بھی ہوتی ہو تو وہاں تو زیادہ اثر ہوگا، زیادہ اہتمام ہوگا۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ اس طرح اس کو خبر ہوتی ہے کہ خلاف کرنے میں ایذاء (۴) بھی ہوتی ہے تب ظاہر ہے کہ جیسا کچھ اہتمام ہوگا۔ اور یہ محبت کیسی ہے کہ اپنے محبوب کو تکلیف پہنچائی جائے۔

اب سمجھے کہ سب جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے اعمال امت کے پیش ہوتے ہیں کہ فلاں نے یہ کیا، کوئی شراب پیتا ہو، رشوت لیتا ہو، فسق و فجور میں مبتلا ہو سب کی حضور ﷺ کو اطلاع کی جاتی ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کی کتنی محبت تھی امت سے؟ یہ حالت تھی کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے قدم مبارک ورم

---

(۱) معمولی شیروانی (۲) کپڑا اگر تھوڑا سا پھٹ جائے تو دھاگے سے دھاگہ ملا کر ایسے سیا جائے کہ سلائی کا پتہ نہ چلے اسکو "رفو" کرنا کہتے ہیں (۳) قیمت (۴) تکلیف۔

کر جاتے تھے، امت کیلئے دعا کرنے میں۔ایک بار ساری رات گزر گئی اسی آیت کی تلاوت میں۔ "ان تُعذّبھم فَاِنّھم عِبادک وان تَغفر لَھُم فانک انت العزیز الحکیم"(۱)

یعنی آپ زبردست قادر ہیں۔کیا مشکل ہے آپ کو بخشنا؟ ساری رات اسی میں گزر گئی۔ ہمارا وجود بھی کہیں نہ تھا اور آپ کی یہ حالت تھی۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطفِ تو نا گفتۂ ما می شنود

نہ ہم تھے نہ ہماری طرف سے تقاضا تھا مگر بے کہے ہوئے درخواست بھی پیش ہوگئی اور حضور ﷺ نے (دعا کا) اہتمام بھی شروع کردیا۔ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کو ہم سے کیا نفع؟ ہم کیا پیش کررہے ہیں؟ کیا فیض تھا ہم سے حضور ﷺ کو؟ اور ہم کو حضور ﷺ سے ہزاروں قسم کا نفع پہنچا ہے۔

مقبولیتِ درود شریف

اگر کہو کہ ہم درود شریف پڑھتے ہیں حضور اقدس ﷺ کو نفع ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ حضورؐ والا کو اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا آپ لوگوں کو ہوتا ہے۔ہمیں ارشاد ہے حق تعالیٰ کا کہ　یا ایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما(۲)

اگر آپ اپنے نوکر سے کہیں کہ یہ ہزار روپیہ ہیں ہم سے کہو کہ ہم اپنے بیٹے کو دے دیں۔تو اس نوکر کے مقبول بنانے کو اور اسکی عزت بڑھانے کو یہ صورت تجویز کی ہے، نہ کہ بیٹا روپے ملنے میں اس نوکر کا محتاج ہے۔اگر نوکر نہ بھی کہے تب بھی روپیہ

(۱) سورۃ المائدہ آیت ۱۱۸ (۲) سورۃ الاحزاب آیت ۵۶

بیٹے کیلئے تجویز کرلیا گیا ہے۔صرف نوکر کی عزت افزائی کیلئے ایسا کیا گیا ہے۔یہی حال درود شریف ہے کہ حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ رحمت کی دعا کرو رسول کیلئے۔رحمت بھیجنا تو منظور ہی ہے (خواہ ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں) چنانچہ اس کے قبل(۱)۔

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی (۲) موجود ہے،مگر ہماری قدر بڑھانے کو ہمیں کہہ دیا کہ درود بھیجو کہ تمہارا بھی بھلا ہو جائے گا۔کوئی شخص کیا منہ لے کر کہہ سکتا ہے کہ آپؐ ہمارے محتاج ہیں اور اس کہنے سے آپؐ پر رحمت ہوگی۔یہ شبہ شاید کسی خشک مزاج کو ہوتا ہے اس لئے رفع کر دیا۔

حضور ﷺ کے ساتھ جو معاملہ حق تعالیٰ کا ہے وہ ہماری درخواست پر موقوف نہیں۔اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ اور عبادات بعض دفعہ مقبول ہوتی ہیں،اور بعض دفعہ مردود۔لیکن درود شریف ہمیشہ مقبول ہوتا ہے۔سو اگر ہمارے عمل کا آپؐ پر رحمت نازل ہونے میں کوئی اثر ہوتا تو جیسے اور اعمال ہیں یہ بھی ہمارا عمل ایسا ہی ہونا چاہئے تھا (کبھی مقبول اور کبھی مردود)۔سو ہمیشہ مقبول ہونا دلیل ہے اس کی کہ معلوم ہوا کہ ہمارے عمل کا اس میں کوئی اثر نہیں۔حق تعالیٰ ضرور رحمت بھیجتے ہی ہیں،ہم درود بھیجیں یا نہ بھیجیں۔اس لئے درود شریف کبھی غیر مقبول نہیں ہوتا۔بس خدا تعالیٰ کو رحمت بھیجنا تو ہے ہی،ہم کو جو حکم دیا تو صرف ہماری عزت بڑھانے کیلئے۔

نیز ہمارے اعمال ظاہر ہے کہ مقبول ہونے کے قابل ہیں نہیں اور جو عمل مقبول نہ ہو وہ کالعدم(۳) ہے۔پھر ہمارا درود پڑھنا کالعدم ہوا۔مگر پھر بھی آپؐ پر رحمت ہوتی ہے۔اگر ہم آفتاب(۴) کے سامنے ہو گئے تو آفتاب نے ہم کو منور کر دیا۔

---

(۱) اس آیت سے پہلے (۲) سورۃ الاحزاب آیت ۵۶۔(۳) وہ ایسا ہے جیسے کیا ہی نہیں (۴) سورج۔

آفتاب ہمارا محتاج شعاع(۱) میں نہیں، پس علماء کے قول سے بھی اس کی تائید ہوگئی ہے کہ حضور ﷺ کسی کے نفع کے محتاج نہیں ہیں۔

شبہ اور اسکا جواب

البتہ اس مقام پر ایک شبہ ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ہم کو دین کی تعلیم کی ہے اور ہمارے عمل کرنے سے آپ کو ثوار بھی پہنچتا ہے تو اگر ہم عمل نہ کریں تو حضور ﷺ کو یہ ثواب کیسے ملے گا؟ پھر ہمارے عمل کو اس میں دخل ہوا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جب اس نیت سے تعلیم فرمائی کہ امتی عمل کریں اور نیت پر اجر(۲) مل جاتا ہے۔ پس جب حضور ﷺ نے اسکی نیت فرمائی تو آپؐ ہر حال میں ماجور(۳) تو ہو گئے۔

حضور ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں

اب ہمارے عمل کرنے کا اثر اتنا رہا کہ عمل کرنے سے آپ کا جی خوش(۴) ہوتا ہے۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع ہوتی ہے کہ فلاں امتی نے یہ عمل کیا تو آپؐ خوش ہوتے ہیں، بہرحال حضورؐ کو ہم سے کوئی نفع نہیں، مگر پھر بھی آپ کو ہم سے کتنی محبت؟ اور ہماری یہ کیفیت کہ زبانی دعوی محبت کا بہت، اور خیر بعض میں کسی قدر زبانی سوز و گداز بھی سہی۔ چنانچہ جب اس قسم کی مجالس میں اشعر واشعار پڑھے جاتے ہیں تو ہائے ہو بہت کرتے ہیں مگر اس کی پرواہ نہیں کہ جس سے محبت کا دعویٰ ہے، اعمال ناشائستہ کا ارتکاب کر کے ان ہی کو ایذا(۵) پہنچا رہے ہیں۔ تو صاحب ایسے سوز و گداز کا کیا نتیجہ؟

(۱) سورج اپنی روشنی میں ہمارا محتاج نہیں (۲) ثواب (۳) آپ کو ہر حال میں ثواب مل گیا ہم عمل کریں یا نہ کریں (۴) دل خوش ہوتا ہے (۵) برے اعمال کر کے حضور ﷺ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

مجھے اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک شاعر آزاد منش تھے۔ بعض کا دل رقیق(۱) ہوتا ہے۔ وہ بھی ایسے ہی تھے اس لئے ان کے کلام میں سوز و گداز تھا۔ ایک شخص ان کا فارسی کلام دیکھ کر کلام سے ان کو صوفی سمجھ کر ایران سے چلے۔ آ کر کیا دیکھا کہ ایک حجام ان کے سامنے ہے اور ان کا چہرہ استرہ سے صاف کر رہا ہے۔ اس شخص نے جھلا کر کہا کہ آغا ریش تراشی(۲)؟ شاعر صاحب نے کہا بلے ریش می تراشم، مگر دل کسے رانمی خراشم۔ یعنی داڑھی تو ترشواتا ہوں مگر کسی کا دل نہیں دکھاتا کیونکہ بڑا گناہ دل دکھانا ہے۔ اس نے بے ساختہ جواب دیا کہ ارے دل رسول اللہ ﷺ را می خراشی!(۳) مطلب یہ کہ حضور ﷺ کو جب یہ اطلاع ہوگی کہ فلاں شخص سنت کے خلاف کر رہا ہے تو حضور ﷺ کو کیسی ایذا ہوگی۔ یہ سن کر شاعر کی آنکھیں کھل گئیں اور زبان حال سے یہ شعر پڑھتے تھے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

یعنی تم کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ میں تو اندھا تھا آج معلوم ہوگیا مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ غرض یہ محبت کیسی ہے جس میں حضور ﷺ کے قلب کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔

لوازمِ محبت

یہ تقریر تو اس پر مبنی تھی کہ حضور ﷺ کے تین حق ہیں عظمت، محبت، اطاعت، لیکن اگر کوئی شخص تینوں حق کو جدا جدا نہ سمجھے بلکہ صرف ایک محبت ہی کو حق سمجھے تو میں

---

(۱) دل کمزور (۲) ارے بھائی! داڑھی کٹوا رہے ہو (۳) ہاں کیوں نہیں رسول اللہ ﷺ کا دل تو دکھا رہے ہو۔

کہتا ہوں کہ خود محبت ہی ایک ایسا حق ہے کہ اور حقوق کو مستلزم (۱) ہے یعنی محبت مستلزم ہے عظمت کو بھی اطاعت کو بھی۔ یعنی جب سچی محبت ہوگی تو عظمت بھی ہوگی، اطاعت بھی ہوگی۔ مگر لوگوں نے صرف یہ یاد کرلیا ہے کہ ہم عاشق ہیں رسول ﷺ کے۔

بس اپنے زعم میں اور کسی بات کے مُکلف ہی نہیں رہے، بلکہ اگر سچ مچ بھی ہو سوز و گداز، اور اس سے چیخنا چلانا، رقت کا طاری ہونا، یہ آثار پیدا ہوتے ہوں تو گو ظاہر نظر میں یہ کمال معلوم ہوتا ہے مگر محققین کے نزدیک یہ خود ضعیف محبت (۲) ہے۔ اور ضعیف اس وجہ سے کہ محل محبت کا ہے قلب، اور یہ علامتیں ہیں ضعف قلب (۳) کی۔ تو جب قلب ہی ضعیف ہے تو جو اس کی صفت ہوگی وہ بھی ضعیف ہوگی۔ اس کو محبت کامل نہیں کہیں گے۔ محبت کامل وہ ہے کہ رگ رگ عشق سے چور ہو مگر پھر بدحواس نہ ہو۔

سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حق تعالیٰ سے کیسی محبت تھی؟ صحابہؓ کو حضور ﷺ کے ساتھ کیسی محبت تھی؟ کسی صحابیؓ کا قصہ ایسا بتلاؤ کہ محبت میں بدحواس ہوگئے ہوں۔

ابوبکرؓ کی حضورؐ سے محبت

سب میں زیادہ چاہنے والے حضور ﷺ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کی یہ حالت تھی محبت میں کہ جب آپ غار میں چھپے ہیں تو حضرت ابوبکر نے یوں عرض کیا کہ پہلے مجھے جانے دیجئے۔ شاید کوئی چیز موذی (۴) ہو۔ جب غار میں

(۱) محبت کا ہونا ہی دوسرے حقوق کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے (۲) کمزور محبت (۳) دل کے کمزور ہونے کی (۴) تکلیف دہ ہو۔

پہنچے تو اس میں بہت سے سوراخ تھے آپ نے اپنے کپڑے پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ دو سوراخ باقی رہ گئے اور کوئی چیز بند کرنے کو رہی نہیں تو آپ نے دونوں پاؤں اس میں اڑا دیے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تشریف لے آئیے! کیا انتہا ہے اس عشق و محبت کی؟

حضور ﷺ اندر تشریف لائے اور نیند غالب ہوئی تو حضرت صدیقؓ کے زانوں پر سر رکھ کر آرام فرمایا۔ وہاں ایک سوراخ میں ایک سانپ تھا اس نے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں ڈسا مگر پاؤں محض اس لئے نہ ہٹایا کہ حضور ﷺ بے چین نہ ہوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور چہرہ مبارک پر آنسو گرنے لگے حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ حضور ﷺ نے دعا کر دی اثر جاتا رہا، مگر انہوں نے تو اس بھروسہ پر پاؤں نہ دیا تھا کہ اگر کچھ ضرر پہنچے گا تو حضور والا دعا کر دیں گے مگر باوجود اس محبت کے کوئی واقعہ ایسا نہیں ہوا جس میں ابوبکرؓ مغلوب ہو گئے ہوں۔

کمالِ عشق کا معیار

سب سے بڑا واقعہ وفات کا تھا۔ ایسے عشاق کو تو حس بھی نہیں رہنی چاہئے تھی مگر وہی ہیں کہ ثابت قدم رہے۔ حضرت عمرؓ کس قدر پریشان ہو گئے۔ اسی میں ان کو اجتہادی غلطی ہو گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض صحابہؓ وفات ہونے کے بعد حضور ﷺ کا زندہ ہونا سمجھتے تھے کہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے معراج میں (کہ حضور جا کر واپس آ گئے تھے۔ اسی طرح یہاں بھی ہوگا کہ گو وفات ہو گئی مگر پھر زندہ ہو جاویں گے) اس وقت ایک عارضی غیبت ہے، اس کے مرتفع(۱) ہونے پر آپ زندہ ہو جاویں گے۔ یہ خیال تھا

(۱) تھوڑی سی دیر کے لئے آپ نے پردہ فرمایا ہے جوں ہی یہ حالت ختم ہوگی آپ پھر زندہ ہو جاویں گے۔

بعض صحابہؓ کا یہی حال تھا حضرت عمر کا۔ یوں کہتے تھے کہ اگر کوئی کہے گا کہ حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ اسی حالت میں حضرت ابو بکر گھر میں تشریف لے گئے اور چہرہ مبارک سے چادر اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا طبت حیاً و میتاً۔ یعنی آپ حیات اور موت دونوں حالت میں پاک ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ آپ اس سے منزہ(۱) ہیں کہ حق تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع کریں۔ نہیں کبھی نہیں ایسا ہوگا۔ اور باہر آ کر فرمایا حضرت عمر سے، اے بھلے مانس بیٹھیے! پھر جا کر خطبہ پڑھا۔

من کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حیّ لا یموت (۲)، اور یہ آیت پڑھی۔ انک میت وانھم میتون(۳)۔ اور یہ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم(۴)۔

اور بعض صحابہ کا جو یہ خیال تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت میں محبوب کی موت کا خیال بھی لانا گوارا نہیں ہوتا ہے اس لئے صحابہ کبھی سوچتے بھی نہ تھے کہ موت حضور ﷺ کو ہوگی۔

مجھ کو اس امر پر تعجب ضرور ہوتا تھا مگر ایک واقعہ دیکھ کر یقین ہوگیا کہ قریب کا واقعہ ہے۔ ایک بی بی کی شادی ہوئی ایک عالم سے، وہ عالم مر گئے۔ شدید صدمہ ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ تحقیق ہوئی کہ اس بی بی کا گمان یہ تھا کہ عالم مرا نہیں کرتے اور یوں کہا کرتی تھیں کہ میں بڑی خوش قسمت ہوں جو ان سے شادی ہوئی کہ کبھی مریں گے

---

(۱) پاک ہیں (۲) جو کوئی تم میں سے محمد کی عبادت کرتا تھا سن لے کہ بے شک محمد ﷺ انتقال فرما چکے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ اللہ زندہ ہے مرتا نہیں (۳) سورۃ الزمر آیت ۳۰ (۴) سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴

نہیں۔ان کا طاعون میں انتقال ہوا تھا۔وہ بی بی کہتی تھیں کہ میں نے سنا ہی نہ تھا کہ مولوی مرتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب موجود ہیں جو علماء پر موت کے ورود کو بعید (۱) سمجھتے ہیں، تو صحابہ کو مرتبہ حال میں حضور ﷺ کی نسبت ایسا خیال ہونا کیا بعید ہے؟ مگر حضرت ابوبکرؓ باوجود کمال عشق کے مستقل رہے۔تو حقیقت میں کمال عشق وہ ہے جو کمال عقل کے ساتھ ہو۔سو ایسا شخص مغلوب الحال نہ ہوگا اور حضور ﷺ کے احکام نہیں چھوڑے گا۔

کمالِ عقل ذریعہ ہے کمالِ محبت کا

ہمارے مجمع میں ایک مجذوب ہیں، اللہ اور اہل اللہ کا نام سن کر اس قدر چلاتے ہیں کہ تاب نہیں رہتی مگر نماز میں کبھی چیخ نہیں نکلتی۔آہ بھی نہیں نکلتی۔یہ کمال اتباع کی دلیل ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی اس قدر مغلوب الحال تھے کہ جامع مسجد میں تیس برس تک نماز پڑھنے پر بھی مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا مگر جماعت ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوئی۔

مخدوم صابر بارہ برس تک مستغرق (۲) رہے مگر کبھی نماز قضا نہ ہوئی، نماز پڑھی۔پھر مستغرق ہوگئے۔یہ کمال عقل کی علامت ہے اور عقل جس قدر زیادہ کامل ہوگی اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی۔جیسے یہ حضرات اہل محبت تھے کہ خدا کے احکام کے اندر مغلوب نہ ہوئے۔

اس کا راز یہ ہے کہ محبت بڑھتی ہے معرفت سے اور معرفت ہوتی ہے عقل

(۱) علماء کے مرنے کو بھی مشکل خیال کرتے ہیں (۲) استغراق کی کیفیت میں رہتے تھے۔

سے، جتنی عقل کامل ہوگی اتنی ہی معرفت ہوگی اور جتنی معرفت ہوگی اتنی محبت ہوگی۔ جتنی عقل کم ہوگی معرفت کم ہوگی۔ بس کامل العقل وہ ہے جس کی شان انبیاء علیہم السلام کی سی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کو کتنی محبت تھی؟ مگر مغلوب نہیں ہوتے تھے۔ سو کمال محبت تو یہ ہے کہ اضطراراً بھی احکام میں اختلال(١) نہ ہو لیکن اگر ایسا اختلال بھی ہوگیا تو کمال نہیں مگر صدق(٢) تو ہے۔ اور جہاں اختیاراً و قصداً (٣) اختلال ہو جیسے یہ لوگ (مدعیان محبت) کھاتے، پیتے، زراعت کرتے ہیں۔ رشوت، سود بنا لیتے دیتے ہیں پھر عاشق۔ یہ اچھے عاشق ہیں کہ سارے احکام ان سے نل گئے۔ ظاہر ہے کہ جب مغلوب نہ ہوگا تو تمام احکام اس پر لازم ہوں گے سو ایسے لوگوں کے متعلق تو کمال سے قطع نظر کر کے محبت ہی میں کلام ہے۔

خاصیتِ محبت

دوسرے محبت کی خاصیت یہ ہے کہ اذا جاءت الالفة رفعت الکلفة (٤) یعنی وہ شخص محب رسوم کا پابند نہیں ہوتا، تکلف جاتا رہتا ہے، اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان مدعیوں میں تکلف اور زیادہ ہے صحابہ کی شان تھی کہ وہ اکثر اوقات ذکر کرتے تھے رسم کی اس میں کوئی قید نہ تھی چار آدمی بیٹھے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اور کوئی ذکر کریں بس حضور ﷺ کا ذکر کرتے تھے۔ ہماری یہ کیفیت ہے کہ کسی کو سال بھر کے بعد یاد آجاتا ہے تو کسی کو مہینہ کے بعد۔ وہ اس کے منتظر نہیں رہتے تھے کہ مجمع

---

(١) غیر اختیاری طور پر بھی اعمال میں خلل واقع نہ ہو (٢) اگر غیر اختیار طور پر کچھ خلل واقع بھی ہوا تو کمال نہیں ہے اگرچہ یہ شخص سچا ہے (٣) اور جہاں جان بوجھ کر اپنے اختیار سے اعمال میں خلل ہو (٤) محبت ہو جائے تو تکلف ختم ہو جاتا ہے۔

کریں شیرینی منگائیں۔اب یہ کیابات ہے کہ کبھی بلاا سکے (۱) کرہی نہیں ہوتا خصوصاً جب کہ تکلف آپ کی سنت کے خلاف بھی ہو، جن کی محبت کا دعوی ہے، پس گو ایک لمپ کافی ہومگر بیس بیس جلائیں گے کیا یہ اسراف نہیں ہے؟ واعظ کیلئے مسند بچھایا گیا ہے خواہ ریشمیں (۲) ہی ہو۔اس کا استعمال کہاں جائز ہے؟ داڑھی ترشوائی ہے۔ یہ ادب ہے محفل ذکر شریف کا اور جہاں ایسا تکلف نہ ہو اور کوئی شخص محفل منعقد کرے تو کوئی بھی نہ آئے۔

یہیں کانپور کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے اشتہار دیا کہ فلاں مسجد میں میلاد ہے مگر اخیر میں مٹھائی نہیں بانٹی تو برا بھلا کہتے گئے کہ بڑا دھوکہ دیا۔محبوب کا ذکر بھی سن کر مٹھائی کی سوجھ رہی ہے۔حضور ﷺ کے ذکر کے سامنے ہفت اقلیم (۳) کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ محبت تو کیا ہوتی نقل محبت بھی نہیں ہے۔ اگر نقل ہوتی تو کم از کم صورت تو ویسی بنالیتے۔وہی ہیئت بنالیتے۔

نقل کی حقیقت

اس پر عالمگیر کی حکایت یاد آئی۔جب عالمگیر کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا تو کام کے لوگوں کو عطایا دیے گئے ایک بہروپیہ بھی مانگنے آیا مگر عالمگیر عالم تھے اس کو کس مد سے دیتے اور ویسے صاف انکار کرنا بھی شاہی آداب کے اعتبار سے نازیبا معلوم ہوا۔ حیلہ (۴) سے ٹالنا چاہا۔اس سے کہا کہ انعام کسی کمال پر ہوتا ہے تمہارا کمال یہ ہے کہ ناشناسا صورت میں آؤ۔مگر وہ جب کبھی بھیس بدل کر آیا بادشاہ نے پہچان لیا کبھی

(۱) بغیر اس کے (۲) مرد کیلئے ریشم کا استعمال بطور لباس وستر جائز نہیں (۳) ساری دنیا کی بھی کوئی حقیقت نہیں (۴) بہانے سے رخصت کرنا چاہا۔

دھوکہ نہیں کھایا کہ جس روز دھوکا دے دے گا انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔ اتفاق سے عالمگیر کا سفر دکن کا درپیش تھا۔ بہروپیہ داڑھی بڑھا، مقدس لوگوں کی صورت بنا کر رستہ میں کسی گاؤں میں جا بیٹھا کچھ روز کے بعد شہرت ہوگئی۔ عالمگیر کی عادت تھی کہ جہاں جاتے تھے علماء اور فقراء سے برابر ملتے تھے چنانچہ جب اس مقام پر پہنچے وہاں شہرت سن کر اول وزیر کو اس کے پاس بھیجا۔ وزیر نے کچھ مسائل تصوف کے پوچھے۔ اس نے سب کے جواب معقول دیے۔ بات یہ تھی کہ اس وقت بہروپے ہر فن کو قصداً(۱) حاصل کرتے تھے۔ وزیر نے آکر عالمگیر سے بہت تعریف کی۔ عالمگیر خود ملنے گئے آپس میں خوب گفتگو رہی اور خوب سمجھ گئے کہ شاہ صاحب کامل شخص ہیں۔ چلتے وقت ایک ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اس نے لات ماری اور کہا تو ہم کو بھی سگ(۲) دنیا خیال کرتا ہے اس سے اور بھی اعتقاد بڑھا۔

واقعی استغناء(۳) عجیب چیز ہے عالمگیر لشکر میں واپس چلے آئے۔ پیچھے پیچھے بہروپیہ صاحب پہنچے کہ لائیے انعام! خدا حضور کو سلامت رکھے! بادشاہ نے کہا ارے تو تھا؟ کہ اس وقت جو پیش کیا تھا اس کو کیوں نہیں لیا تھا۔ تو وہ اس سے بہت زیادہ تھا اور میں اس کو واپس تھوڑے ہی لیتا۔ اس نے کہا کہ حضور! اگر میں لے لیتا تو نقل صحیح نہ ہوتی کیونکہ وہ فقیری کا روپ تھا اور فقیر کی شان کے خلاف تھا وہ لینا۔

نقل تو اس کو کہتے ہیں کم از کم مدعیان محبت نے شکل تو بنائی ہوتی اہل محبت کی سی۔ اگر شکل بناتے تو ظاہر ہی میں رسم اور قیود کی پابندی نہ ہوتی۔ عرب میں پھر یہاں سے تفاوت(۴) ہے، یہ حالت ہے کہ چھوارے بانٹنے شروع کیے۔ اگر کچھ آدمی بچ

---

(۱) عمداً (۲) دنیا کا کتا (۳) بے نیازی (۴) فرق ہے۔

رہے ہیں اور چھوارے ختم ہو گئے تو کہہ دیتے ہیں ''خلاص'' یعنی اب نہیں رہا۔ یہاں یہ کیفیت ہے کہ اگر مٹھائی آنے میں دیر ہو تو پڑھنے والے سے کہہ دیتے ہیں کہ ذرا تھام تھام کر پڑھنا(۱)۔ امرتیاں منگائی ہیں ابھی آئی نہیں کبھی نگٹ کٹی(۲) ہو جاوے یہاں تو نفل بھی نہیں دعویٰ ہی ہے۔

اندازِ محبت

بے تکلفی پر یاد آیا کہ ایک بزرگ تھے ان کی عادت تھی کہ کبھی کبھی کچھ منگا کر مساکین کو تقسیم کر کے روح مبارک ﷺ کو ثواب پہنچا دیتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ نہ تھا چنے ہی تقسیم کر دیے۔ تو خواب میں دیکھا کہ چنے حضور ﷺ کے سامنے رکھے ہیں۔ محبت کا طریق یہ ہے محبت میں تو تکلف ہو ہی نہیں سکتا۔

خلوص کی برکت

ایک بزرگ کے خلوص اور بے تکلفی کی حکایت یاد آئی کہ وہ ایک دوسرے بزرگ سے ملنے چلے ان کا جی چاہا کہ کچھ لے چلیں مگر پاس کچھ تھا نہیں۔ پس یہ کیا کہ جنگل سے خشک لکڑیاں ہی تھوڑی سی جمع کر کے لے گئے اور پیش کر دیں۔ انہوں نے حکم دیا خادم کو یہ لکڑیاں احتیاط سے رکھ دو جب ہمارا انتقال ہو تو پانی ہمارے غسل کیلئے انہی لکڑیوں سے گرم کیا جائے ہم کو اس کی برکت سے امید ہے نجات کی۔

یہ کیفیت تھی بے تکلفی کی اور اب تو یہ حالت رہ گئی ہے کہ یوں خیال کرتے ہیں کہ پیر کی خدمت میں جب جائیں کہ جب کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیر کو بھی دنیا دار سمجھتے ہیں اگر ایسا سمجھا ہے تو ایسے پیر کو چھوڑ دینا واجب ہے، یہ تو مریدوں کے تکلف کی کیفیت

---

(۱) آہستہ آہستہ پڑھنا (۲) کبھی ناک کٹ جائے۔

تھی۔

جاہل پیروں کا حال

اب رہے پیر، سو ان کے طمع(۱) کی بھی یہ حالت ہے کہ جب کوئی مریدین میں سے ان کے پاس آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ کچھ لایا ہوگا۔ بقول مولانا گنگوہی کے کہ کوئی سر کھجلانے لگے تو پیر یہ سمجھیں گے کہ پگڑی سے نکال کر کچھ دے گا۔ ایسا طمع کا باب کھلا ہے(۲)۔ ایسے پیروں سے تو ان کے بعضے مرید اچھے جو پیر سے محض نیک نیتی سے تعلق رکھتے ہیں گو اس سے تعلق رکھنے میں ان سے غلطی ہوئی مگر خلوص تو ہے۔

ایک ایسے ہی پیر و مرید کا قصہ یاد آیا کہ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں تو شہد میں بھری ہوئی ہیں اور میری غلاظت(۳) میں، پیر نے کہا کہ کیوں نہیں؟ ہم ایسے ہی ہیں اور تم ایسے ہی ہو۔ مرید نے فوراً کہا کہ حضور ابھی خواب پورا بیان نہیں ہوا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی انگلیاں چاٹ رہا ہوں پیر نے کہا نکل یہاں سے خبیث۔ اس نے کہا کہ خبیث ہوں مگر دیکھا یوں ہی ہے۔

یا تو واقعی یہ خواب ہی دیکھا ہوگا یا مرید نے پیر کا حال ظاہر کرنے کو تراشا(۴) ہوگا، ہر حال میں مطلب یہ تھا کہ مرید کا تعلق تو پیر سے دین کیلئے تھا اور پیر کا تعلق مرید سے دنیا کیلئے تھا یہ حالت ہو رہی ہے۔ پیری کیا ہے؟ ایک دکان ہے۔ کیسی پیری مریدی؟ اگر پیر ایسا ہے تو تمہارے خالی جانے سے ناراض(۵) ہوگا تو واجب ہے آپ کے ذمہ کہ اس کو طلاق(۶) دو۔

---

(۱) لالچ (۲) لالچ کا دروازہ (۳) نجاست میں (۴) گھڑا ہوگا (۵) اگر اس بات سے ناراض ہوگا کہ تم اس کیلئے کوئی تحفہ نہیں لائے (۶) یعنی اسکو چھوڑ دو۔

آداب ذکر

غرض یہ تکلفات سب علامتیں اس کی ہیں کہ خلوص اور حقیقی محبت نہیں۔اسی طرح ذکر مبارک نبویؐ میں سمجھئے کہ اگر سچی محبت ہوتی تو قیود و تکلفات(۱) کا انتظار نہ ہوتا۔چین نہ ہوتا۔یہ نہ سوچتے کہ پہلے لڈو بنوالیں، اس وقت ذکر کریں گے رسول اللہ ﷺ کا۔ارے بھائی کیا اس میں اس قسم کی کوئی شرط ہے؟ نماز میں تو وقت وعدد وغیرہ مشروط(۲) ہیں، مگر ذکر میں تو بجز موافقت حدود شرعیہ(۳) کے ایسی کوئی شرط نہیں، جیسا اللہ تعالیٰ کے ذکر میں کوئی شرط نہیں۔چنانچہ ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔اس میں نہ وضو کی قید ہے نہ عدد کی بلکہ یہ ہونا چاہئے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی(۴)

اور

ہر آں کو غافل از حق یک زمان ست
دراں دم کافرست اما نہان ست(۵)

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت ذکر کرتے تھے یذکر اللہ فی کل احیانہ۔البتہ علما نے اتنا تو فرمایا ہے کہ پاخانہ پیشاب کے وقت زبان

---

(۱) بارہ ربیع الاول کی قید، پیر کے دن کی قید، مٹھائی اور ختم کی قید وغیرہ (۲) تعداد رکعات اور نماز کا وقت وغیرہ کہ اسکے بغیر نماز درست نہیں (۳) مگر ذکر رسول میں سوائے اس کے کہ شرعی حدود کے موافق ہو اور کوئی قید نہیں (۴) ایک لمحہ کے لئے بھی احکم الحاکمین سے غافل نہ ہونا چاہئے، شاید وہ تیری طرف متوجہ ہوں اور تجھے خبر بھی نہ ہو (۵) مانا کہ حق سے لاپرواہی ایک لمحے کی ہے لیکن حق سے بے توجہی ہی میں تو کفر پنہاں ہے۔

سے نہ کرے لیکن قلب سے دھیان رکھے۔ جب ذکراللہ کے یہ احکام ہیں اور عشاق کے نزدیک آپ کا ذکر مثل ذکراللہ کے ہے۔ جب اللہ تعالی کے ذکر کرنے کیلئے کوئی قید نہیں ہے تو حضور علیہ کے ذکر کیلئے کیوں کوئی قید ہوگی؟ چار آدمی بیٹھے حضور کا ذکر کرلیں۔ تنہا ہو ذکر کرلے بلکہ تنہائی میں زیادہ لطف آتا ہے۔ اور یہ حالت ہوتی ہے۔

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے(۱)

جو بڑی بڑی محفلیں کرتے ہیں ان سے قسم دے کر پوچھئے کہ بدوں اس خاص ہیئت(۲) کے تم کو کتنی توفیق ہوتی ہے اس ذکر کی۔ کوئی کتاب پڑھتے ہو اس سے مزہ لیتے ہو بلکہ بعض تو اس کو (یعنی میلاد کو) دین بھی نہیں سمجھتے بلکہ عمل سمجھتے ہیں روزگار کی ترقی کا۔ اسی نیت سے کرتے ہیں کہ گیارہویں بارہویں۔ اور یوں سمجھتے ہیں کہ سال بھر تک جو کمایا تھا گیارہویں بارہویں کرنے سے گذشتہ تو ساری کمائی پاک ہو جائے گی اور آئندہ آفات سے بچے رہیں گے۔ عہدہ بڑھے گا۔ اولاد جیے گی۔ ان دنیاوی اغراض سے کرتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ اسی لئے ایسے لوگوں میں بالکل ادب نہیں ذکر مبارک کا۔

یہیں کا قصہ ہے کہ ایک جگہ میلاد ہوا اور اس سے اگلے ہی دن وہیں ناچ ہوا۔ شادی تھی ایک صاحب کے یہاں جس میں ناچ کی دعوت بھی کی گئی تھی۔ بعض ان کے دوستوں میں ثقہ(۳) بھی تھے انہوں نے انکار کیا۔ بس انکی ضرورت سے یہ محفل کی تھی مگر دوسرے دن وہیں ناچ کی محفل کرادی جو ان کا اصلی مقصود تھا۔

---

(۱) کتنا مبارک وقت اور کیسا پیارا دن ہے کہ محبوب محبوب سے تنہائی میں باتیں کررہا ہے (۲) اس خاص انداز میں ذکر کرنے کے علاوہ تم کو ذکر کرنے کی کتنی توفیق ہوتی ہے (۳) معائدین شہر (معتبر لوگ)۔

اس شخص نے دونوں پلے برابر سمجھے۔ یہ حالت ہے۔ اور بعض جگہ اگر کوئی ایسا امر منکر (۱) بھی نہیں ہوگا، تب بھی سب سے بری بات یہ ہوتی ہے کہ روایات میں اس قدر بے اعتدالی (۲) کرتے ہیں کہ جن کا سر نہ پاؤں۔

شعراء کی بے ادبیاں

قصیدے اس قسم کے پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی شان میں گستاخی، خود رسولؐ کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں عرض کرتا ہوں، واقعات دکھاتا ہوں تاکہ محض فرضی دعوی نہ سمجھا جائے۔ ایک قصیدہ ہے اور اس نے یہ شعر شاعری میں آکر یوں کہہ دیا۔

طواف کعبہ مشتاقِ زیارت کا بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

یعنی اصل تو زیارت مدینہ کی ہے حج مقصود نہیں ہے حج محض ایک مصلحت سے کرتے ہیں اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) عاشق ہیں حضور ﷺ کے اور ہم بھی عاشق ہیں۔ اس لئے حضور کی زیارت کو چلے اور محبوب کے دو عاشق آپس میں رقیب کہلاتے ہیں۔ تو گویا اللہ میاں (نعوذ باللہ) ان کے رقیب ہوئے اور رستہ میں گھر پڑتا ہے رقیب کا، جو قادر ہے، شاید نہ جانے دے، اس لئے حج کر کے ان کی خوشامد کر لینی چاہئے۔ اس سبب سے پہلے طواف کعبہ کرتے ہیں کہ خوش رہیں اور کچھ کھنڈت (۳) نہ ڈال دیں (نعوذ باللہ) اور لیجئے۔

---

(۱) ایسا ناپسندیدہ کام بھی نہیں ہوتا (۲) حد سے نکل جاتے ہیں (۳) رکاوٹ نہ پیدا کر دیں۔

سایۂ نبویؐ کے بارے میں غلط عقیدہ

پے تسکین خاطر صورتِ پیراہنِ یوسف
محمدؐ کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور ﷺ کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ(۱) ہوسکتی ہے۔ سو شاعر صاحب اسکا نکتہ بیان کرتے ہیں کہ سایہ کیوں نہ تھا؟ تو وہ نکتہ یہ ہوا کہ یعقوب علیہ السلام نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت یہ سوچ کر کہ یوسف مجھ سے جدا ہوتے ہیں میرے دل کو تسلی کیسے ہوگی؟ پیراہن رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ لیا کروں گا۔ اسی طرح نعوذ باللہ اللہ تعالی نے حضرت رسول خدا ﷺ کو بھیجنا چاہا تو سوچ ہوئی کہ میں کاہے سے تسلی حاصل کروں گا۔ اس لئے سایہ کو رکھ لیا کہ اس سے تسلی تو ہوجایا کرے گی۔

الہی توبہ! الہی توبہ! انصاف سے کہیے کہ ان مضامین کے بعد ایمان باقی رہ سکتا ہے؟ اس شعر میں حق تعالی کے لئے بے چینی ثابت کی ہے۔ پھر بصیر(۲) ہونے کا انکار کیا ہے، ورنہ اللہ تعالی جب بصیر وخبیر ہیں تو پھر کیا اللہ تعالی کو نعوذ باللہ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا کرتے پھر سایہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیا ایسی محفلیں کرنے سے پکڑ دھکڑ نہ ہوگی۔ بانی مجلس پر مواخذہ(۳) نہ ہوگا۔ اگر دین ایسا سستا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں جاتا تو تب خیر گستاخی بھی کوئی چیز نہیں مگر دین تو ایسا سستا

---

(۱) باب فضائل میں ان کو بطور دلیل پیش کر سکتے ہیں (۲) اس بات کا انکار ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز کو دیکھ سکتے ہیں اور یہ کفر ہے (۳) کیا ایسی مجلیس منعقد کرانے والے کی پکڑ نہ ہوگی۔

نہیں ہے۔ کیا دین کے یہ معنی ہیں کہ سب کچھ کیے جاؤ اور وہ نہ جائے۔ یہ تو اللہ میاں کی شان میں سوادب تھے۔

انبیاء علیہم السلام کی بے ادبی

اب انبیاء علیہم السلام کی شان میں دیکھئے ایک شاعر کہتے ہیں۔

بر آسمانِ چہارم مسیح بیمارست　　　تبسمِ تو برائے علاج درکارست

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں اوران کا علاج آپ کا تبسم ہے۔ سچ بتلایئے کہ کیا حضرت عیسیٰ بیمار ہیں۔ حضور ﷺ کے تبسم سے وہ اچھے ہو جائیں گے اور حقیقت میں اسی میں حضور ﷺ کو بھی ناراض کرنا ہے۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ کیا حضور ﷺ ایسی بات سے خوش ہوں گے جس میں دوسرے نبی کی توہین ہوتی ہو۔

آپ سمجھئے کہ اگر آپ کا کوئی بھائی حقیقی ہو اور اس کے ایک بیٹا ہو اور وہ آپ کی شان میں گستاخی کرے تو کیا بھائی کو یہ بات پسند ہوگی۔ اسی طرح انبیاء آپس میں بھائی ہیں اور حضور پرنور سب میں بڑے ہیں اگر آپ نے کسی نبی کی توہین اور انکی شان میں گستاخی کی تو کیا حضور ﷺ اس سے خوش ہوں گے؟

ایک شاعر صاحب ہیں کہ انہوں نے نعت لکھنے کیلئے روشنائی تجویز کی ہے اور یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کو اس کی روشنائی کے حل کرنے کیلئے کھرل(۱) قرار دیا ہے۔ وہ شعر اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا۔ سچ بتلایئے ایمان سے اگر ہم انبیاء علیہم السلام کو کسی موقع پر مجمع(۲) پائیں اور وہاں حضور ﷺ بھی تشریف لائیں تو کیا اس مجمع میں ہم ان

---

(۱) کھرل حکیموں کے یہاں ایک برتن پتھر کا ہوتا ہے جس میں دوائیں پیستے ہیں (۲) سب نبی ایک جگہ جمع ہوں۔

اشعار کو تکرار (۱) کر سکتے ہیں۔کیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھ میں روشنائی پیس سکتے ہیں یا ان کے منہ پر ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔جو بات منہ پر کہنا بے ادبی قرار دی جائے کیا پیچھے کہنا گستاخی نہ ہوگی؟ انبیاء علیہم السلام کی تو بڑی شان ہے مخلص لوگوں نے تو دوسرے اہل اللہ کے ساتھ بھی اس کی رعایت کی ہے۔

کمالِ اتباع

ایک قصہ یاد آیا۔ایک عورت جس کو جزام (۲) کا مرض تھا حضرت عمر کے زمانہ میں طواف کعبہ کررہی تھی آپ نے فرمایا۔امة الله اقعدی فی بیتك ولا تؤذی الناس۔ یعنی کہ لوگوں کو تیری وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اب نہ آنا۔چنانچہ وہ چلی گئی۔کچھ عرصہ بعد پھر طواف کا شوق ہوا آ کر طواف کرنے لگی۔ایک شخص نے کہا کہ خوب دل کھول کر طواف کر جو شخص تیرا روکنے والا تھا وہ انتقال کر گیا۔کہنے لگی کہ وہ شخص ایسا نہ تھا کہ سامنے تو اس شخص کا اتباع کیا جائے اور بعد میں مخالفت کی جائے یہ کہہ کر چل دی۔اور کہا کہ اب نہ آؤں گی۔کیونکہ وہ منع کر گئے تھے۔میں تو اس لئے آئی تھی کہ طواف کر کے پھر ان کو راضی کرلوں گی۔جب وہ نہیں تو کس سے معاف کراؤں۔

شعراء کا رد

سو آدمی پیچھے وہ معاملہ کرے جو سامنے کر سکتا ہو۔پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیچھے کیوں ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جو سامنے نہیں کر سکتے۔کسی نے خوب رد کیا ہے اس شعر کا (جس میں دیدہ یعقوب کو کھرل بنایا تھا) وہ یہ ہے۔

(۱) ان اشعار کو دو بار پڑھ سکتے ہیں (۲) اس مرض میں جسم میں سے گوشت گل گل کر نیچے گرتا ہے۔

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھرل

اور کہتے ہیں۔

توبہ ہے یوں ہو کہیں چشم نبی مستعمل

کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

انبیاء کی شان میں تو ایسے اشعار بطور نقل بھی کہتے ہوئے پریشانی ہوتی ہے۔

بلکہ سب سے بڑھ کر خود حضور ﷺ کی شان میں نہایت بے ادبی کی جاتی ہے آپ کی شان میں کہتے ہیں کہ فتنۂ عرب، شورِ عجم، آوردۂ رسمِ کافری، جس ذات نے کفر کی جڑ کاٹی ان کے لئے یہ کہا جائے۔ اصل میں یہ امیر خسرو کا شعر ہے جو مجازی فرضی محبوب کے نام کیلئے کہا گیا ہے۔ کسی نے اس کو نعت کے اشعار میں تضمین کرلیا ہے۔ باقی امیر خسرو نے یہ شعر نعت میں نہیں کہا، اور اگر امیر خسرو بھی کہتے تو ہم ان کی نسبت بھی یوں کہتے کہ اللہ تعالی معاف کرے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کی بھی غلطی ہوتی۔ باقی انکی نسبت ہم زیادہ اس لئے نہ کہتے کہ وہ بزرگ ہیں وہاں تاویل غلبہ حال کی ہوسکتی ہے، گو اوروں کو اس کا نقل بطور شغل جائز نہ ہوتا مگر جو صاحب حال بھی نہ ہو اس کے پاس کیا عذر ہے ان گستاخیوں کا۔

مصلحین پر تہمت

اب بتلایئے یہی محبت ہے۔ نیز اگر محبت ہوتی تو حضور ﷺ کے دوسرے حقوق محبت بھی ادا ہوتے۔ جو لوگ اہتمام کرتے ہیں اس مجلس کا ان سے قسم دے کر پوچھو کہ وہ کس قدر درود شریف دن رات میں پڑھتے ہیں اگر ان سے جب کہ وہ محفل میں بلانے کیلئے آویں یوں کہو کہ جتنے درود شریف وہاں پڑھے جاتے ہیں اس سے زیادہ یہاں پڑھ لوں گا تو

کبھی راضی نہ ہوں۔ایک شخص ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ رہا ہے اس پر تو انکار ہے اور جو محفل میں چار مرتبہ بھی نہ پڑھیں گے وہ محب ہیں۔ایسے ہی لوگ اصلاح کرنیوالے کو کہتے ہیں کہ مولود شریف کا منکر ہے۔

مگر صاحبو! سمجھنے کی بات ہے کہ نماز سے بڑھ کر تو کوئی چیز نہیں۔لیکن اسمیں بھی اگر کوئی شخص بجائے قبلہ کے ادھر (مثلاً مشرق کی طرف) منہ کر کے اور گھٹنے کھول کر پڑھے اور اس پر کوئی منع کرے تو کیا یہ کہا جائیگا کہ یہ نماز سے روکتا ہے؟ حضور ﷺ کے ذکر سے روکنا تو اس کو کہتے ہیں کہ نہ تو کلمہ پڑھنے دے، نہ حضور کا نام لینے دے، ایسے شخص کو بے شک منکر کہیں گے۔ایک شخص کہتا ہے کہ حضور ﷺ کا ذکر واجب ہے مگر تعجب ہے کہ اس کو منکر کہا جاتا ہے۔جو شخص یوں کہے کہ "نشر الطیب" پڑھو اور وہ کتابیں پڑھو جن میں حضور ﷺ کے سچے حالات ہیں۔حضور ﷺ کے اخلاق و عادات مذکور ہیں۔حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے احکام ہیں یہ سب ذکر ہی ہیں مگر اس میں کوئی قید نہیں ہے۔کیا ایسے شخص کو منکر رسول کہیں گے؟ کیا یہ تہمت نہیں ہے؟ کیا اس کا حساب نہ ہوگا؟

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے کسی نے پوچھا کہ مولود(۱) کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ ہم تو ہر وقت مولود کرتے ہیں۔اور کلمہ طیبہ پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور فرمایا، یہ بھی تو مولود ہو گیا۔اگر حضور ﷺ پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کیسے پڑھا جاتا۔مولانا کا یہ مولود شریف تھا۔ایسے شخص کو یہ کہنا کہ منکرِ رسول ہے، اس کو محبت نہیں رسول سے، کتنی سخت بات ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم ذکر

(۱) میلاد پڑھنا کیسا ہے؟

کرتے تھے وہاں یہ قیدیں کہاں تھیں۔ کسی صحابی نے مٹھائی منگائی ہو۔ کسی نے صحابہ کو بلا کر جمع کیا ہو۔ نہ آنے والوں کو لتاڑا ہو، تو بتلاؤ۔

ایجاد میلاد کی وجوہ

بات یہ ہے کہ یہ چیزیں دو طرح سے ایجاد ہوئی ہیں بعض تو محض تفاخر کی غرض سے۔ چنانچہ ہم اس کی علامت بتلاتے ہیں کہ ایک فہرست لکھو اور اس میں یہ بھی لکھو کہ ہمارے ہاں مٹھائی نہ ہوگی۔ دیکھیں ایسی فہرست لکھنا کون گوارا کرتا ہے؟ اس سے تو بانی صاحب کی طبیعت اور نیت کا حال معلوم ہوگیا۔ اگر تفاخر(۱) نہیں تو یہ کیوں ناگوار ہے؟

آگے سننے والوں کی نیت کو دیکھئے کہ اگر کوئی ہمت کر کے لکھ بھی دے تو پھر دیکھنا آتا کون ہے؟ دو قسم کی محفلیں کر کے دیکھ لو۔ ایک وہ محفل جس میں مٹھائی ہو اور ایک وہ جس میں مٹھائی نہ ہو۔ پھر دیکھو کہاں زیادہ آدمی ہوتے ہیں، دوسرے تفاخر کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اتفاقاً مٹھائی کم ہو جائے اور آدھے آدمی بلا مٹھائی(۲) چلے جائیں تو نک کٹی کے خیال سے کس قدر قلق(۳) ہوتا ہے۔

اگر لوگ مسجد میں نماز کے لئے آئیں گو کسی اشتہار پر ہی آئیں گے اور جگہ نہ ملے تو کوئی شکایت نہیں کرتا کہ مہتمم صاحب نے بے قدری کی اور نہ مہتمم کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو جگہ نہیں ملی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مہتمم کہہ سکتا ہے کہ ہمارے اوپر کوئی احسان نہیں۔ آپ دین کا کام کرنے آئے تھے جس قدر اہتمام ہم سے ہوسکتا تھا ہم نے کر دیا۔ ہمارے ذمہ کچھ بھی نہیں۔ ہاں کسی کے بلائے ہوئے شادی میں آؤ اور

(۱) ایک دوسرے پر فخر کرنا (۲) بغیر مٹھائی (۳) ناک کٹ جانے کے خیال سے کتنا افسوس ہوتا ہے۔

اہتمام میں کمی ہو تو شکایت ہو سکتی ہے۔ پھر جب محفل میلاد میں جگہ نہ ملنے یا مٹھائی سے رہ جانے کی شکایت ہوتی ہے اور خود محفل انجام دینے والے کو بھی سخت شرمندگی ہوتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مثل حاضری مسجد کے نہیں سمجھتے مثل شرکت شادی کے سمجھتے ہیں جہاں تفاخر سبب معلوم ہوتا ہے اہتمام(۱) کا۔ جس کی کمی سے شکایت ہوتی ہے۔ پس اگر اس محفل کو دین کا کام سمجھتے ہیں حالات مذکورہ میں شرمندگی کیوں ہوتی ہے؟ اسی طرح مٹھائی موقوف(۲) کردی جاوے تو اس سے سامعین(۳) کی نیت کا اندازہ ہو جاوے گا کہ کتنے آدمی ذکر میں شریک ہوتے ہیں مگر مٹھائی کے موقوف کرنے سے یہ نفع(۴) ضرور رہو گا کہ دوسرے غریب بھی ہمت کریں گے ذکر کی جن کو وسعت نہیں مگر کیا کوئی اس کو گوارا کر سکتا ہے؟ نام کیسے ہوگا؟

قیام کی اصل

غرض ان رسوم کی ایجاد کی بنا ایک تو یہی تکلف و تفاخر ہے جس کو ابھی بیان کر چکا ہوں۔ اور بعض شروع ہوئی ہیں غلبہ حال سے۔ چنانچہ قیام کی اصل ہی غلبہ حال اور وجد ہے۔ اور آداب وجد میں سے امام غزالی نے لکھا ہے احیاء العلوم میں کہ اگر مجلس میں کسی کو وجد ہو اور وہ کھڑا ہو جاوے تو سب کو چاہئے کہ کھڑے ہو جاویں کیونکہ مخالفت سے انقباض(۵) ہوتا ہے۔ اور موافقت سے انبساط(۶)۔ مخالفت سے طبیعت بجھ جاتی ہے۔

تو یہ قیام کرنا بھی ذکر مبارک میں کوئی شرعی نہیں۔ صحابہ سے ثابت

---

(۱) بیاہ شادی میں جو کھانے پینے کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے اسکا اکثر سبب فخر جتانا ہوتا ہے (۲) مٹھائی نہ منگائی جائے (۳) سننے والوں کی نیت (۴) مٹھائی ختم کرنے سے یہ فائدہ ضرور ہوگا (۵) دل گھٹتا ہے (۶) فرحت۔

نہیں۔ محض ایک قسم کا وجد ہے۔ کسی وقت میں کسی صاحب حال پر حال طاری ہوا۔ وہ حالت غلبہ میں کھڑا ہوگیا اور مطابق ادب وجد کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس کے کھڑے ہونے پر سب کھڑے ہوگئے۔ پس اصل تو اتنی تھی۔ بعد میں کسی کو یہ ہیئت پسند آئی۔ بس خاص کرلی (یعنی یہ بات اختیار کرلی کہ جب ولادت شریف ہو تو ضرور کھڑا ہو جائے) اب غلو کی یہ حالت ہے کہ نماز تو بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے عذر میں۔ مگر میلاد بدوں قیام نہیں ہوتا(۱)۔ بہر حال جب یہ وجد(۲) تھا تو جب غلبہ حال نہیں تو پھر اس کے اختیار کرنے کے کیا معنی؟

پھر یہ کہ حضور ﷺ کے معراج اور وفات کا ذکر بھی تو ذکر ہی ہے، نزول وحی کا ذکر بھی ذکر ہے، پھر پیدا ہونے کی کیا تخصیص(۳) ہے؟ پس رسم ہے اور کچھ بھی نہیں۔ جیسے بعض جگہ سماع میں اختراعات(۴) ہوگئے ہیں کہ اصل تو گزر گئی رسم رہ گئی۔

ایک موقع پر ایک بزرگ پر عین سماع کے اندر ایک وجد طاری ہوا وہ اٹھ کر مسجد کی طرف چلے۔ قوال ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ قوال بھی پہنچ گئے مسجد میں۔ بس اتنی ہی حقیقت تھی۔ کہ ایک دفعہ ایسا ہوگیا تھا۔ اب وہاں لازم ہوگیا ہے کہ عین سماع کے اندر صاحب سجادہ قصداً کھڑے ہوتے ہیں اور مسجد میں جاتے ہیں اور قوال ان کے پیچھے پیچھے ہوتے ہیں اور مسجد میں گانا بجانا ہوتا ہے۔

اسی طرح کوئی صاحب وجد ذکر نبوی سن کر کھڑے ہوگئے تھے۔ محبت رسول

---

(۱) اب اس قدر غلو اختیار کرلیا ہے کہ میلاد میں اگر کھڑے نہ ہوں تو میلاد نہیں ہوتا (۲) وجد ایک خاص کیفیت ہے جو غیر اختیاری ہوتی ہے جس میں آدمی کھڑے ہو کر گھومنے لگتا ہے (۳) خصوصیت ہے (۴) بہت سے باتیں گھڑلی ہیں۔

میں اور دوسرے شرکاء کھڑے ہو گئے، ان کی موافقت میں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اب یہ لازم کیوں ہو گیا؟ اگر یوں کہو کہ (۱) جی چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مستحب میں بھی احتمال ہو اوروں کے بگڑنے کا تو اس کو نہ کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ مستحب بھی نہ ہو، محض جی ہی چاہتا ہو تو اگر اس کو اس مفسدہ کے سبب ترک کر دیں (۲) تو کیا حرج ہے؟ اور اگر بالکلیہ ترک کرنے کو دل گوارہ نہ کرے تو اچھا ضروری اصلاح تو ضروری ہونا چاہئے۔ جس کی سہل (۳) صورت یہ ہے کہ میلاد میں کبھی قیام کریں کبھی نہ کریں۔ اگر ایسا ہو تو کیا حرج (۴) ہے۔ صاحب اگر پھر کوئی تم پر اعتراض کرے تب ہی کہیے۔ مشکل تو یہ ہے کہ اس کو ایسا لازم سمجھتے ہیں کہ بھلا کوئی ترک قیام (۵) کرا تو لے۔ باقی منع کرنے والے مطلقاً حرام (۶) نہیں کہتے جیسا کرنے والے لوگ مطلقاً واجب سمجھتے ہیں۔ بہرحال جب ایسی ایسی باتیں پیدا ہو گئیں تو اگر نہ کہا جائے تو کیا کیا جائے؟

گیارہویں کا رد

اسی طرح گیارہویں میں گیارہ تاریخ کی پابندی نہ کرو، کبھی نویں کو کرو اور کبھی بارہویں کو کر لو مگر عقیدہ درست رکھو۔ اب تو یہ بھی نہیں۔ اکثر لوگ گیارہویں ڈر کے مارے کرتے ہیں کہ نہ کریں گے تو حضرت سیدنا غوث پاک ناخوش (۷) ہو جاویں گے جس سے کچھ ضرر ہو جاوے گا۔ اور اگر خوف سے نہ کرتے ان کو مقبول سمجھ کر محبت سے کرتے تو پھر پابندی کی ضرورت کیا تھی؟ کیا مقبولین و اولیاء کی یہ شان ہوتی ہے کہ نذرانہ دو خوش، ورنہ ناخوش۔

---

(۱) دل چاہتا ہے (۲) اس برائی کی وجہ سے چھوڑ یں تو کیا برائی ہے (۳) آسان صورت (۴) نقصان (۵) کوئی میلاد میں کھڑے ہونے کی رسم کو ختم تو کرالے (۶) بالکل (۷) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ناراض ہو جائیں گے۔

ایک جگہ کا واقعہ ہیکہ میں نے ان بدعات کے متعلق بیان کیا تو وعظ کے بعد ایک صاحب بیان کرنے لگے کہ ایسے مسائل بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ خواہخواہ لوگوں کو بھڑکانا۔ میں نے کہا، ضرورت آپ ہی حضرات نے ثابت کی ہے۔ اگر آپ یہ بدعات نہ کرتے تو ہمیں ان کے رد کرنے کی نوبت نہ آتی۔ آپ کرنا چھوڑ دیں تو ہم رد کرنا چھوڑ دیں گے۔ قصور تو آپ ہی کا ہے آپ عمل کرتے ہیں بلا ضرورت ہم کہتے ہیں بضرورت(۱)۔ باقی ہم نفس عمل کو منع نہیں کرتے۔ تم تخصیص تاریخ کو چھوڑ دو اور نیت اپنی درست کرلو ہم کچھ نہ کہیں گے۔ نیت یہ مت رکھو کہ روزگار میں ترقی ہوگی یا بیٹا ہوگا۔ نیت یہ رکھو کہ حضرت غوث اعظم ہمارے محسن ہیں کہ ہم کو ان سے دین پہنچا، اگر وہ تشریف رکھتے ہوتے تو ان کی خدمت کرتے۔ اب یہ نہیں ہوسکتا تو ہم ان کو ثواب ہی بخش دیں تو پھر ہم منع نہ کریں گے۔ مگر معیار اس نیت کا یہ ہوگا کہ پھر سب کی نیاز ہونا چاہئے۔ ابوحنیفہ کی بھی، امام بخاری کی بھی (کیونکہ سب محسن ہیں حضرت غوث اعظم کی تخصیص(۲) نہ ہوگی سمجھ نہیں آتا کہ یہ تخصیص کیوں کرلی گئی ہے)۔

اسی طرح سے ہم قیام کو منع کرتے ہیں، کہیں تو ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہوجاؤ کبھی رضاعت کے بیان میں، کبھی معراج کے ذکر میں، علی ہذا(۳)۔ بعض محفل میں تین چار دفعہ کھڑے ہوجاؤ۔ اگر اس طرح رکھو تو کون منع کرے۔ یہ حقیقت ہے اس عمل کی۔ مقصود یہ ہے کہ محبت رسول یہ نہیں ہے۔ جیسے تم کرتے ہو۔ محبت کے لوازم سے ہے(۴) کہ سب حقوق ادا کیے جائیں۔

---

(۱) آپ بغیر ضرورت کے کرتے ہیں اور ہم ضرورت کی وجہ سے کرتے ہیں (۲) خصوصیت (۳) اسی طرح آپ کی دوسری صفات کے تذکرے کے وقت کھڑے ہوجایا کرو (۴) محبت کے لئے یہ بات لازم ہے کہ سب حقوق ادا کیے جائیں

حقیقی ذکرِ رسولؐ

ان میں سے ایک ذکر بھی ہے۔ پھر ذکر میں درود شریف بھی ہے قرآن شریف کی تلاوت بھی ہے جس میں جا بجا حضور ﷺ کا نہایت جامع تذکرہ ہے۔ اگر قرآن شریف ختم کرلیا تو گویا پورا ذکر کرلیا۔ چنانچہ آپ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ الخ(۱)

اسی طرح بہت آیتیں ہیں ان سب آیات میں ذکر ہے حضور ﷺ اور ذکر بھی بادشاہوں کا سا۔ اگر کسی بادشاہ کی سوانح عمری لکھو تو کیا بس اتنا لکھو گے کہ فلاں تاریخ پیدا ہوئے اور فلاں تاریخ تخت نشین(۲) ہوئے۔ اصل سوانح عمری تو یہ ہے کہ اس نے اتنے ملک فتح کیے۔ یہ یہ احکام جاری کیے۔ اسی طرح مخالفین کی سرکوبی(۳) کی ایسی ایسی شجاعت ظاہری کی۔ یہ ہے اصل سوانح عمری۔ پس اس قاعدہ سے آپؐ کی اصل سوانح عمری دو ہی چیزیں ہیں قرآن وحدیث۔ قرآن شریف میں حضور ﷺ کی پوری شان ظاہر ہوتی ہے۔ آپ کے اخلاق کا ذکر ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وانک لعلی خلق عظیم اور آپ کی شان میں فرماتے ہیں۔

انا ارسلنک شاھدا ومبشرا و نذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجامنیراً(۴)

اسی طرح حدیث میں آپ کا کھانا پینا سونا جاگنا اور دوسرے حالات مذکور ہیں۔ اے اللہ! اس کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا؟ میں اس کی وجہ بتلاتا ہوں۔

---

(۱) سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴ (۲) تخت پر بیٹھا یعنی اقتدار سنبھالا (۳) مخالفین کو شکست دی۔ (۴) سورۃ الاحزاب آیت ۴۵، ۴۶

میلاد میں صرف ولادت کے ذکر کی وجہ

ایک حریص (۱) سے پوچھا کہ تجھ کو قرآن شریف میں کون سا حکم سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا "کلوا واشربوا" کہ کھاؤ اور پیو۔ پوچھا کون سی دعا پسند ہے۔ کہا "ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء" (۲) پس جس طرح اس شخص کو یہ پسند آیا اور اس میں کچھ کیوں نہ پسند آتا کیونکہ اور باتوں میں تو نفس کے خلاف کچھ کرنا پڑتا ہے اور اس میں کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ اسی طرح ان لوگوں کو سارے ذکروں میں یہ پسند آیا کہ آپؐ کا نور پیدا ہوا۔ پھر وہ آپ کی والدہ میں آیا، پھر فلاں تاریخ ولادت شریف ہوئی، اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور ﷺ نے جاگ جاگ کر طاعت کی ہے۔ ایک ہی آیت کی تلاوت میں رات گزر گئی۔ پاؤں مبارک ورم کر گئے۔ اور یہ ذکر پسند نہیں آیا کہ حضور ﷺ نے ناراضی ظاہر کی ہے معصیت سے، ریا سے، حرام خوری سے، اس کو نہیں منع کیا جاتا۔

وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ اس میں نفس کے خلاف کرنا پڑتا ہے۔ سو اگر محض رسم ہی کی پابندی ہے تو اس کا علاج نہیں ہے اور اگر عقل سے بھی کام لیا جانا بھی کوئی چیز ہے تو کیا یہ شان ہوتی ہے محبین (۳) کی کہ حضور ﷺ کے اور تذکروں کو اڑا ہی دیں۔

اسی طرح محبت کے لوازم میں سے ہے کہ آپ کی شان میں گستاخی نہ کرنا اور آپ کی تعظیم کی جائے نیز متابعت کرنا۔ میرے ایک صالح دوست نے جو کہ ذکر مبارک کے عاشق تھے خواب دیکھا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی سفارش نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریفیں کرے۔ ہم تو اسکی سفارش کریں گے جو ہمارا کہنا

(۱) لالچی (۲) اے اللہ ہم پر آسمان سے کھانے کا دسترخوان نازل فرما (۳) محبت کرنے والوں کی

مانے، یہ تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے بزعم خود آپ کے حقوق سے صرف محبت کا پہلو لیا۔

شرط ایمان

بعض وہ ہیں جنہوں نے عظمت کو لیا ہے، نہ تو محبت ہے نہ متابعت، اکثر یہ وہ لوگ ہیں جن پر تعلیم جدید کا مذاق غالب ہے۔ طرز ان کا یہ ہیکہ یہ لوگ علماء سے علتیں احکام کی پوچھتے ہیں۔ احکام میں خود علتیں نکالتے ہیں۔ اور جو بات اپنی عقل نارسا و ناقص کے خلاف ہو اس کے ماننے میں ان کو تامل ہوتا ہے(۱)۔

کہیں کہتے ہیں کہ پل صراط پر چلنا عقل کے خلاف ہے (اس لئے کہ وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے پھر کوئی کیسے چل سکتا ہے) کہیں کہتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں کا بوسہ عقل کا خلاف ہے۔ ان امور میں سے ایک معراج بھی ہیکہ ان کے نزدیک خلاف عقل ہے۔ کہتے ہیں کہ تھوڑی دور جا کر ہوا نہیں ہے وہاں پہنچ کر جاندار کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ طرز بتلا رہا ہیکہ ان کو محبت نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کی کیونکہ جس کیساتھ محبت ہوتی ہے اس کے احکام میں شبہ نہیں ہوا کرتا۔

فرض کیجئے کہ کسی عورت سے محبت ہو جاوے اور وہ کہے کہ اپنا کرتا نکال کر سر بازار برہنہ(۲) نکل جاؤ تو میں تم سے خوش ہوں گی۔ تو اگر وہ شخص محبت و عشق میں پکا ہے تو کبھی نہ پوچھے گا کہ اس میں حکمت کیا ہے؟ بلکہ یوں کہے گا کہ میرے محبوب نے اپنے راضی ہونے کی ایک صورت تو نکالی۔ مجھ کو اس فرمائش کی وجہ دریافت کرنے سے کیا غرض؟ میرا تو مطلب نکلتا ہے۔ ہرگز کسی مصلحت اور حکمت کے معلوم ہونے کا

---

(۱) اسلام کے ایسے احکام جہاں تک انکی عقل پہنچ نہیں سکتی یا اپنی کم عقلی کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتے ان کو ماننے میں ان کو تردد ہوتا ہے (۲) کرتا اتار کر ننگے بازار میں سے گزرو تو میں خوش ہوں گی۔

انتظار نہ کرے گا کہ محبت کی تو بڑی مصلحت محبوب کا راضی کر دینا ہے۔

جب ایک عورت مردار کی محبت میں یہ حال ہے کہ اس کے احکام کی علت دریافت نہیں کی جاتی تو یہ احکام تو دیکھو کیسی ذات مقدس کے ہیں ان کی علتیں کیوں دریافت(۱) کی جاتی ہیں۔ بس بات یہ ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں ان کو محبت نہیں حضور ﷺ سے۔ اگر محبت نہیں ہے تو ان کا ایمان ہی کیا ہے۔ حضور ﷺ تصریحاً فرماتے ہیں۔

لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اتنی محبت نہ ہوگی تو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ خود حق تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ(۳)۔ ایمان باللہ وہ ہے جس میں محبت ہو شدت کیساتھ۔ اور ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی شرط بھی وہی شدت محبت ہوگی اور علاوہ شہادت قرآن وحدیث کے ویسے بھی تو مشاہدہ ہے۔

حقیقی طاعت وعظمت

موٹی بات ہے کہ طاعت کا لطف ہی بلا محبت نہیں آتا(۴)۔ اطاعت بلا محبت کے ہو وہ محض ضابطہ کی طاعت(۵) ہوتی ہے حقیقی طاعت نہیں ہوتی۔ اس طاعت کی

---

(۱) ان کی حکمتیں اور علتیں کیوں پوچھتے ہو (۲) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسکو اس کے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (۳) اہل ایمان اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵ (۴) فرمانبرداری کا مزہ بھی بغیر محبت کے نہیں آتا (۵) جو فرمانبرداری بغیر محبت کے ہو وہ صرف ضابطہ کی ہوتی ہے حقیقی نہیں۔

ایسی مثال ہوگی جیسے انجن میں بھاپ نہ ہو اور اس کو مزدور ٹھیلتے(۱) ہوں۔ جس کی رفتار کچھ بھی قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ جہاں ٹھیلنا بند(۲) کیا، بس رک گیا، اسی طرح بدوں(۳) محبت کے جو طاعت ہوگی قابل اعتبار نہیں۔ طاعت جب ہی قابل اعتبار ہوگی کہ آگ لگی ہوئی ہو، بھاپ بھری ہوئی ہو محبت کی، بلکہ قطع نظر(۴) لطف کے ساتھ آسان بھی طاعت جب ہی ہوتی ہے، جب محبت ہو۔

مثلاً ایک مزدور کا کہنا ماننا۔ اس کی حالت تو یہ ہوتی ہیکہ جہاں آقا ٹلا اور کام سے بیٹھ گئے اور ایک کسی کا محب(۵) کو کسی بات کی فرمائش کرنا اور اسکا کام پر لگ جانا۔ اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس حالت میں کوئی اس سے یہ بھی کہے کہ کھانا تو کھالو۔ تو وہ یہی کہے گا کہ جب تک کام کو پورا نہ کرلوں مجھ کو کسی بات میں چین نہ آوے گا۔

غرض مزدور کے کام میں اور محب کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ دوام طاعت جو کہ عادۃً سہولت پر موقوف ہے بلا محبت(۶) نہیں ہوتا۔ پس جب عقلاً بھی محبت طاعت مفروضہ کا موقوف علیہ ہے تو ضرور محبت بھی فرض(۷) ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جب محبت نہیں تو ظاہر ہے کہ متابعت(۸) بھی نہیں جو کہ محبت پر موقوف(۹) ہے اور ویسے بھی بدیہی(۱۰) ہے کہ جو لوگ احکام میں شبہات نکالتے ہیں وہ عمل کیا خاک کریں گے؟

غرض محبت و متابعت(۱۱) سے تو یہ عاری ہیں۔ البتہ ان لوگوں کے قلب میں

---

(۱) تھسیٹ رہے ہوں (۲) دھکا دینا بند کیا فوراً رک گیا (۳) بغیر محبت (۴) لطف سے صرف نظر کر کے بھی (۵) محبت کرنے والے (۶) ہمیشہ فرمانبرداری کرتے رہے جو کہ عادۃً آسان ہونے پر مبنی ہوتا ہے بغیر محبت کے نہیں ہو سکتا (۷) جب عقل اس بات کو تسلیم کر لیتی ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت جو فرض ہے اسکے لئے محبت ضروری ہے تو محبت کا فرض ہونا بھی ثابت ہے (۸) پیروی (۹) مبنی ہے (۱۰) یہ بات واضح ہے (۱۱) محبت اور پیروی کرنے سے تو بے بہرہ ہیں۔

آپ کی عظمت جس حیثیت سے ہونی چاہئے وہ ان میں نہیں ہے۔ یہ لوگ حضور ﷺ کو اصالۃً ایک شاندار اور عاقل بادشاہ سمجھتے ہیں ضمناً نبی(۱)۔ بس زیادہ عظمت آپ کی ان کے دلوں میں بادشاہ ہونے کی حیثیت سے ہے۔ نبی ہونے کی حیثیت سے آپؐ کی زیادہ عظمت ان کے ذہن میں نہیں۔ اگر نبی ہونے کی حیثیت سے اصل عظمت ہوتی تو احکام میں علتیں نہ ڈھونڈتے کیونکہ نبی مؤسس احکام(۲) نہیں، مبلغ احکام ہیں۔

حضور ﷺ کی شانِ رسالت

اسی طرح آپ کا نام بانی اسلام نہ رکھئے جیسا کہ لوگ آپ کو بانی اسلام کہا کرتے ہیں میرے نزدیک یہ لقب عیسائیوں سے لیا گیا ہے وہ لوگ اسلام کو خدا کا بنایا ہوا نہیں سمجھتے بلکہ بوجہ انکار نبوت کے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اسلام کو بنایا ہے۔ مسلمانو! اس لقب کو چھوڑ دو۔ خوب سمجھ لیجئے کہ بانیٔ اسلام خدا تعالیٰ ہیں۔ آپؐ کی تو یہ شان ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم(۳)

آپ نے تو ادھر سے سنا ادھر کہہ دیا۔ حضور ﷺ نے کوئی چیز خود نہیں بنائی۔

---

(۱) آپؐ کی اصل شان بادشاہ ہونے کی ہے اور اس کے تحت میں آپ کو نبی بھی مانتے ہیں (۲) نبی احکام بنانے والا نہیں پہنچانے والا ہوتا ہے (۳) جیسے طوطا اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا جو اس کے استاد نے اس کو سکھایا ہو وہی بولتا ہے اسی طرح جو کچھ اللہ پاک فرماتے ہیں تو وہی کہتا ہوں گویا اس آیت کا مصداق ہیں وما ینطق عن الھوٰی ☆ ان ہو الا وحی یوحی ☆ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو اللہ وحی کرتے ہیں کہتے ہیں۔

آپ تو حکایت بیان فرما رہے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ آپ صرف سفیر ہی نہیں بلکہ ہمارے آقا اور سردار بھی ہیں۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک پیام پہنچانا تو وہ ہے جیسے ڈاکیا خط پہنچاتا ہے اور ایک وہ جیسے استاد مضامین شاگرد کو پہنچاتا ہے۔ استاد صرف حکایت کرنے والا ہی نہیں بلکہ حاکم اور مربی(۱) بھی ہے۔ سو حضور ﷺ کی بھی یہی شان ہے۔ بعض بے ادب لوگوں کو دھوکا ہوا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کی مثال محض سفیر جیسی ہے۔ سو یہ محض باطل ہے بلکہ ہم غلام ہیں حضور ﷺ کے اور آپ ہمارے آقا ہیں۔ البتہ مبلغ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ اپنی طرف سے گھٹاتے بڑھاتے نہیں ہیں اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ آپ اجتہاد نہیں فرماتے مگر وہ اجتہاد بھی بالا حکام وحی ہی میں داخل(۲) ہے کیونکہ جس اجتہاد کو قائم رکھنا نہ ہوتا تو وہ منسوخ کر دیا جاتا تھا پس جو منسوخ نہ ہوا وہ بھی وحی منصوص(۳) بن گیا۔ پس احکام اجتہادیہ میں بھی آپ کی یہی شان ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۴)

اور اوپر جو کہا گیا ہے کہ آپ محض سفیر نہ تھے مربی بھی تھے۔ اسکا ایک کھلا قرینہ(۵) یہ ہیکہ آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کوئی شخص امت میں سے خلاف کرتا تھا تو آپ افسوس کرتے تھے کہ کیوں بگڑ رہا ہے۔ سو اگر حضور ﷺ کے صرف اس طرح کام سپرد ہوتا جیسے سفیر کے ہوتا ہے تو آپ افسوس ہی کیوں کرتے کیونکہ جب آپ نے

---

(۱) حکم دینے والا اور تربیت کرنے والا (۲) اجتہاد انجام کے اعتبار سے وحی ہی کے حکم میں ہے (۳) آپ نے جو اجتہاد کیا اور اللہ نے اس کو منسوخ نہ کیا تو وہی اللہ کا حکم بن گیا (۴) آپ کا کہا ہوا اللہ ہی کا کہا ہوا ہے اگرچہ عبد اللہ (نبی ﷺ) کے منہ سے نکل رہا ہے (۵) واضح دلیل۔

سفارت پوری کردی تو آپ بری ہوگئے۔ سفیر کا کام تو اتنا ہی ہے خواہ کوئی جنت میں جائے یا دوزخ میں افسوس کے کیا معنی؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ سفیر محض نہ تھے۔ غرض نہ تو سفیر محض تھے جیسا اہل تفریط(۱) سمجھتے ہیں اور نہ مخترع احکام(۲) تھے ہمارے رہنما تھے، مگر وحی کے بالکل تابع(۳)۔ جب یہ ہے تو آپ کے فرمودہ احکام خدا کے احکام۔ پھر خدا کے احکام میں عقل دوڑانا چہ معنی(۴)؟ کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم ہمارے علم کے بس میں نہیں کہ ہم وہاں تک رسائی کی فکر کریں۔

سو جب ان لوگوں نے عقل دوڑائی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ کی شان نبوت کو مغلوب اور شان سلطنت کو غالب سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب کبھی لوگ آپ کے کارنامے بیان کرتے ہیں تو صرف بادشاہت کے کارنامے بیان کرتے ہیں۔ آپ کے فقر و فاقہ کو کبھی بیان نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اس میں ہیٹی(۵) ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

مگر خوب سمجھ لو کہ جن کی عظمت محدود ہے ان میں تو ایسی باتوں سے کمی ہو سکتی ہے، ورنہ ان حکایتوں سے کیا کمی ہوتی؟ بلکہ اگر کسی کے پاس لشکر و حشم و خدم(۶) سب کچھ ہو اور اس صورت میں اس کو غلبہ اور رعب حاصل ہو تو وہ چنداں کمال(۷) نہیں۔ بڑی عظمت تو اس میں ہے کہ ایسی تو آپ کی حالت مگر پھر رعب کی کیا کچھ کیفیت ان لوگوں نے اپنے مذاق کے موافق قیاس کیا ہے جیسے ان کے یہاں اناج(۸) نہ رہے تو

---

(۱) آپ صرف سفیر نہ تھے جیسے بعض زیادتی کرنے والے سمجھتے ہیں (۲) احکام گھڑنے والے (۳) اللہ کے حکم کے بالکل تابع اور ہمارے متبوع تھے (۴) خدا کے احکام میں عقل دوڑانے کا کیا مطلب (۵) بے عزتی (۶) فوج اقتدار اور خدام سب ہوں (۷) یہ کوئی کمال نہیں ہے (۸) گندم۔

چھپاتے ہیں، مہمان کے لئے کہیں سے سالن منگاتے ہیں تو مہمان سے چھپا کر، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

میرے یہاں کا قصہ ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ ہمارے یہاں سالن کم ہوگیا۔ گھر کے لوگوں نے بھائی کے یہاں سے چھپا کر سالن منگایا کہ مہمان کو خبر نہ ہو کہ یہ دوسری جگہ سے آیا ہے۔ جب کھانے بیٹھے تو میں نے صاف کہہ دیا کہ یہ بھائی کے یہاں سے آیا ہے اور میں نے گھر میں کہا کہ ہم سے دوستوں کو محبت ہے تو اللہ کے واسطے ہے پھر اس میں اس کی کیا گنجائش؟ دوسرے ہماری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی۔

سو اپنی نسبت تو ہمیں یہی سمجھنا چاہئے کہ ہماری شان ہی کیا مگر حضور ﷺ کا معاملہ دوسرا ہے کہ آپؐ کی شان اتنی بڑی شان ہے کہ وہ ایسی حکایات سے گھٹتی ہی نہیں، کوئی سمندر سے ایک قطرہ لے لے تو اس میں کیا کمی ہوگی۔ اگر چیونٹی نے ایک ریزہ مٹھائی کا حلوائی کی دکان سے توڑ لیا ہو تو اس کی دکان میں کیا کمی ہوگئی اور حضور ﷺ کی شان تو بہت ارفع (۱) ہے۔ آپ کے امتیوں میں سے ایسے ایسے گزرے ہیں کہ سلطنت کی بھی پرواہ نہیں کی۔

اولیاء اللہ کی سلطنت

حضرت غوث اعظم قدس سرہ کے پاس شاہ سنجر نے لکھا تھا کہ ملک نیمروز کا ایک حصہ آپ کی خانقاہ کے خرچ کیلئے نذر کرنا چاہتا ہوں قبول فرمالیجئے۔ آپ نے جواب میں دو شعر لکھے۔

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم

---

(۱) بلند ہے۔

زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جونمی خرم(۱)

حضرت ابراہیم بن ادھم جب سلطنت ترک کر کے چلے گئے تو ارکان دولت میں کمیٹی ہوئی کہ کسی طرح ان کو لانا چاہئے۔ وزیر گیا تو دیکھا کہ آپ گدڑی اوڑھے ہوئے بیٹھے ہیں عرض کیا کہ حضور سلطنت درہم برہم ہورہی ہے۔ حضور تشریف لے چلیں۔ آپ نے، فرمایا کہ یہ سلطنت تمہیں مبارک ہو مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی سلطنت عطا فرمادی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سوئی گدڑی (۲) سے نکال کر دریا میں پھینک دی اور وزیر سے کہا کہ میری سوئی دریا میں گر گئی ہے نکلوادو۔ وزیر نے بے شمار آدمیوں کو دریا میں داخل کر دیا وہاں سوئی کا پتہ کہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ہماری سلطنت دیکھو۔ یہ کہہ کر مچھلیوں کو مخاطب کیا کہ اے مچھلیو! میری سوئی لاؤ۔ صد ہا(۳) مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں کوئی سونے کی کوئی چاندی کی سوئی لے حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ مری وہی لوہے کی سوئی لاؤ۔ ایک مچھلی وہی لوہے کی سوئی لے کر نکلی۔ آپؒ نے وزیر کے سامنے ڈال دی اور فرمایا کہ دیکھی میری سلطنت۔ تمہیں اپنی سلطنت پر بڑا ناز ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں:

رو برو سلطان کاروبار بین
حسن تجری تحتہا الانہار بین(۴)

---

(۱) سنجر کی کالی چھتریوں کی مانند میرا مقدر سیاہ ہوجائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی خواہش ہو۔ جب سے مجھے شب بیداری کی بادشاہت میسر آئی ہے میں ملک سنجر کو ایک جو کے دانے کے عوض لینا بھی پسند نہیں کرتا (۲) روئی کی واسکٹ کو گدڑی کہتے ہیں (۳) سینکڑوں (۴) کسی شیخ کامل سے اصلاح کا سبق حاصل کریں پھر جنت کی بہار دیکھیں۔

عارف شیرازی کہتے ہیں۔

مبیں حقیر گدایان عشق راکین قوم شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند(۱)

اور کہتے ہیں

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم(۲)

حضرت عمر کے زمانہ میں زلزلہ آیا۔آپ نے زمین پر پاؤں رکھ کر فرمایا کہ اسکنی یا ارض کہ اے زمین ٹھہر جا۔پس زمین ٹھہر گئی۔کیا حقیقت ہے سلطنت کی اس کے سامنے؟

دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کا حکم نامہ

ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہوگیا۔ہمیشہ چڑھا کرتا تھا۔اسی سے آب پاشی ہوا کرتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا۔عمرو بن العاص یا عبداللہ بن عمرو بن العاص مصر کے عامل تھے لوگوں نے آکر عرض کیا۔آپ نے فرمایا کہ کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ دیتے ہیں۔اس سے وہ جاری ہوجاتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم کبھی نہیں ہوگی اسلام میں،اور میں خلیفہ کو لکھتا ہوں۔انہوں نے حضرت عمر کو لکھا۔حضرت عمر نے نیل کے نام ایک حکم نامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل اگر تو خدا تعالی کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ نہیں

---

(۱) عشق کے بھکاریوں کو اے قوم حقیر نہ سمجھ اس لئے کہ یہ بغیر ٹیکہ اور تاج کے بادشاہ ہیں (۲) یہ اس میکدہ عشق کے تو بھکاری ہیں لیکن جب عشق کی مستی میں سرشار ہوتے ہیں تو آسمان پر ناز اور ستاروں پر حکومت کرتے ہیں۔

ہے تو ہم کو تیری کچھ پروا نہیں خدا تعالیٰ ہمارا رازق (۱) ہے۔ آپ کے اس طرح لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا پر بھی حکومت کرتے ہیں مگر

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید (۲)۔

آپکو شبہ بھی نہیں ہوا کہ ایسا نہ ہوا تو عزت گر جائے گی۔

حضرت عمر بن العاص اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لے کر چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا۔ ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ سے اور دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت؟ مگر وہ رقعہ دریا میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آیا اور لبریز ہو کر چلنے لگا۔

یہ باتیں کوڑھ مغزوں کو سمجھانے کیلئے ہیں۔ واقع میں تو ان کی سلطنت کچھ اور ہی ہے جس کو حضرت بایزید بسطامی نے ذرا تیز الفاظ میں کہا ہے مگر پھر کوئی ایسا نہ کہے انہوں نے کہا ہے کہ ملکی اعظم من اللہ۔ جس کا مطلب ہے کہ جتنی چیزیں ہیں وہ تو ملک ہیں اللہ اور اللہ تعالیٰ ملک میں ہماری۔ اور ظاہر ہے کہ کہاں اللہ تعالیٰ کی علوشان اور کہاں دوسری چیزیں۔ اسلئے ہمارا ملک اعظم ٹھہرا۔ اور یہ آپ نے مرتبہ ناز میں کہا ہے۔ ہر شخص کا منہ اس کہنے کے لائق نہیں کیونکہ۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد چوں نداری گرد بدخوئی مگرد (۳)

حاصل یہ کہ ان سلطنت کو کیا پوچھتے ہو؟ اور جب اولیاء اللہ کی یہ کیفیت ہے تو جناب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک یہ دنیوی سلطنت کیا بلا ہے۔ سو آپ صرف بادشاہ

---

(۱) رزق دینے والا (۲) قلندر جو کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے (۳) ناز وادا پھول جیسے چہروں ہی کو زیبا ہے۔ اگر تیرا چہرہ پھول جیسا نہیں ہے تو ایسے کاموں کے قریب بھی مت جا!

ہی نہیں بلکہ بادشاہ تو آپ کے غلام ہیں۔آپؐ کو صرف بادشاہ قرار دینا تعظیم نہیں ہے۔مگر آپ کی تعظیم میں ایک امر نہایت لازم اور فرض ہے۔وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ادب ملحوظ رکھا جاوے آپ کو حق تعالیٰ کے برابر نہ کردیا جاوے۔

واعظین کی گستاخیاں

آج کل تو واعظین بھی اپنی حکایات تراشتے (۱) ہیں کہ جن کا سر نہ پاؤں (۲) خود حضورؐ کی شان میں بھی اور اولیاء اللہ کی شان میں بھی۔ چنانچہ ایک حضرت غوث الاعظم بھی ملے ہیں حکایات تراشنے کو۔ایک حکایت گھڑی ہے کہ ایک بڑھیا گئی حضرت غوث الاعظم کے پاس اور کہا کہ میرا بیٹا مرگیا اس کو زندہ کردو۔آپ نے فرمایا کہ زندہ نہیں ہوسکتا اس کی عمر ختم ہوچکی ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر اس کی عمر ختم نہ ہوتی تو آپ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ سے اسی واسطے تو کہا ہے کہ عمر ختم ہوگئی ہے اور آپ کو زندہ کرنا پڑیگا۔آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا وہاں سے بھی اسی دلیل سے حکم ہوا کہ زندہ نہیں ہوسکتا۔آپ نے بھی وہی جواب دیا۔ جب کسی طرح عرض منظور نہیں ہوئی اور ادھر بڑھیا نے تنگ کیا تو آپ نے عزرائیل سے تھیلا روحوں کا چھین کر اسے کھول دیا۔ ساری روحیں پھر پھر (۳) اڑگئیں اور تمام مردے زندہ ہوگئے آپ نے فرمایا کہ دیکھا ایک نہ جلایا (۴) اب اچھا ہوا۔عزرائیل نے خدا تعالیٰ کے یہاں نالش (۵) کی۔ وہاں سے حکم ہوا کہ ہم کو دوست کی خاطر منظور ہے۔ خیر جیسے وہ کہیں وہی سہی۔الٰہی توبہ! کتنی بڑی گستاخی ہے حق تعالیٰ کی شان میں۔کیا خدا تعالیٰ کی سلطنت اودھ کی

---

(۱) گھڑتے ہیں (۲) جن کی کوئی اصل نہیں (۳) ایک ایک کر کے جلدی جلدی اڑ گئیں (۴) دیکھا تم نے ایک کو زندہ نہ کیا میں نے ساری روحوں کو آزاد کردیا (۵) حضرت عزرائیل نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔

سلطنت ہے؟ کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں جس کا جو جی چاہا کر گزرے۔

اقتدار الٰہی کے بارے میں لوگوں کے غلط نظریہ پر ایک حکایت

ایسی غیر آئینی سلطنت پر ایک حکایت یاد آئی۔ کوئی شہر تھا۔ ان نیاؤ پور۔ ''ان'' نفی کا کلمہ ہے۔ ''نیاؤ'' کے معنی ہیں انصاف کے پور شہر کو کہتے ہیں۔ اسکے معنی ہوئے بے انصافی کا شہر۔ ایک گرو اور اس کا ایک چیلہ (۱) اس شہر میں جا پہنچے اور چیزوں کا بھاؤ پوچھا۔ سب کا بھاؤ سولہ سیر۔ گیہوں بھی سولہ سیر، چنے بھی سولہ سیر، گھی بھی سولہ سیر، نمک بھی سولہ سیر، گوشت بھی سولہ سیر، غرض سب کا ایک ہی بھاؤ۔ گرو نے یہ حال دیکھ کر چیلہ سے کہا کہ یہاں سے چلو یہ شہر رہنے کے قابل نہیں۔ یہاں کھرے کھوٹے سب ایک بھاؤ ملتے ہیں (۲)۔ چیلہ نے کہا کہ ہم تو یہاں رہیں گے خوب گھی کھائیں گے طاقت آئے گی۔ ہر چند گرو نے سمجھایا مگر اس نے ایک نہ مانی خیر ایک عرصہ تک وہاں رہا کئے۔ افراط (۳) سے سب چیزیں ملیں چیلہ کھا کھا خوب موٹا ہوا۔

ایک دفعہ اتفاق سے ایوان شاہی پر پہنچے۔ راجہ کے یہاں ایک مقدمہ پیش تھا وہ یہ کہ دو چور کسی مہاجن (۴) کے یہاں گئے تھے چوری کرنے۔ نقب (۵) دے کر ایک باہر پہرہ پر رہا ایک اندر گیا اور اس پر وہ دیوار گر پڑی وہ دب کر مر گیا۔ اس کے ساتھی نے دعویٰ دائر کیا مہاجن پر کہ اس نے ایسی دیوار کمزور بنائی تھی کہ وہ گر پڑی۔ مہاجن کو حاضر کیا گیا اس نے عذر کیا کہ میرا قصور نہیں۔ معمار (۶) نے ایسی دیوار بنائی تھی۔ معمار حاضر کیا گیا اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا کہ مزدور نے گارا پتلا کر دیا تھا۔ اس

---

(۱) استاد شاگرد (۲) ان کو اچھے برے کی تمیز نہیں (۳) زیادہ مقدار میں (۴) سرمایہ دار بنئے کے گھر (۵) دیوار میں سوراخ کر کے ایک اندر داخل ہوا اور دوسرا باہر کھڑا رہا (۶) مستری نے۔

نے اینٹ کو اچھی طرح نہیں پکڑا مزدور حاضر کیا گیا اس نے کہا کہ سقہ (۱) نے پانی زیادہ چھوڑ دیا تھا اس لئے گارا پتلا ہو گیا۔ سقہ حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا کہ سرکاری ہاتھی میری طرف دوڑا آ رہا تھا مشک کا دہانہ (۲) میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس لئے پانی زیادہ پڑ گیا۔

فیل بان (۳) کو حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ایک عورت بجتا ہوا زیور پہنے آ رہی تھی پازیب کی جھنکار (۴) سے ہاتھی چونک گیا۔ وہ عورت حاضر کی گئی۔ اس نے کہا کہ سنار نے پازیب میں باجا ڈال (۵) دیا تھا۔ سنار کو حاضر کیا گیا اسکو کچھ جواب نہ آیا آخر سلسلہ تو کہیں ختم ہوتا۔ آخر یہ تجویز ہوا کہ اس سنار کو پھانسی دی جائے۔ اس کو پھانسی پر لے گئے اور گلے میں پھانسی ڈالی۔ اس کی گردن ایسی پتلی تھی کہ حلقہ (۶) اس کے گلے میں برابر نہ آیا۔ حلقہ تھا بڑا۔ جلاد نے آ کر کہا کہ اس کے گلے میں نہیں آتا۔

اس پر یہ تجویز ہوا کہ کسی موٹے کو پھانسی دے دو۔ تلاش ہوئی تو سوائے چیلہ صاحب کے کوئی اتنا موٹا نہیں ملا۔ پکڑے گئے۔ انہوں نے گروجی سے کہا کہ اب کیا کروں۔ گروجی نے کہا کہ بھائی میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ شہر رہنے کے قابل نہیں ہے مگر تو نے نہ مانا۔ اب اپنے کئے کو بھگت۔ چیلہ نے کہا کہ حضور کسی طرح بچائیے! کچھ تو کیجئے! آخر آپکا اپنا بچہ ہوں۔

گرو نے تدبیر نکالی کہ آپس میں جھگڑنا شروع کیا۔ گرو کہے کہ مجھے پھانسی دو اور چیلہ کہے کہ مجھے دو۔ خوب جھگڑے کیے یہاں تک کہ راجہ تک نوبت (۷) پہنچ گئی۔

---

(۱) ماشکی (۲) مشک کا منہ (۳) ہاتھی دوڑانے والے کو (۴) پیر میں جو بجتا ہوا زیور پہنا تھا اس کے شور سے ہاتھی بدک گیا (۵) سنار نے پیر کا زیور بجنے والا بنایا (۶) پھانسی کا پھندا (۷) راجہ تک بات پہنچی۔

راجہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ گرو نے کہا کہ یہ ایسی ساعت ہے کہ جو کوئی ایسی ساعت میں پھانسی چڑھے تو سیدھا بیکنٹھ(۱) کو جائے گا، اس لئے ہم جھگڑتے ہیں کہ پھر ایسی ساعت نہ ملے گی۔ راجہ نے کہا کہ پھر اس سے اچھا موقعہ کہاں نصیب ہوگا ہمیں پھانسی دے دو۔ چنانچہ اس منحوس کو پھانسی دے دی گئی ایسے راجہ کو پھانسی دینا ہی اچھا پاپ کٹا۔ خس کم جہاں پاک(۲)۔

یہ قصہ تھا ان نیاؤپور کا۔ سو بہت سے لوگ مسلمان ہو کر ایسی ہی سلطنت سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ کی، جیسی نیاؤپور کی حکومت کہ کوئی قاعدہ نہیں اندھا دھند معاملہ ہے جس کے کچھ اصول نہیں۔ صاحبو! کتنا بڑا ظلم وستم ہے کہ اولیاء کو یا انبیاء کو خدا کے برابر بلکہ مطابق ایسی خرافات حکایات کے خدا سے بڑھ(۳) کر قرار دیا جاوے۔ اسلئے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو اتنا مت بڑھاؤ کہ خدا میں ملا دو۔ کہ اس سے تو حضور بھی ناخوش ہوں گے۔

مدعیان محبت کے تین گروہ

اب بعض وہ لوگ رہ گئے کہ کسی قدر متابعت تو کرتے ہیں مگر نہ ان کے دل میں عظمت ہے نہ محبت۔ یہ لوگ زیادہ ان میں ہیں جو آج کل کسی امام کا اتباع نہیں کرتے کہتے ہیں کہ ترجمے موجود ہیں۔ ضرورت کیا ہے اکابر کے اتباع کی۔ ہم خود دیکھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ اگر عربی نہیں سمجھتے تو ترجمہ ہی سے احکام نکال لیتے ہیں۔ سو ان میں بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ وہ نہ بزرگوں کا ادب کرتے ہیں نہ صحابہ کا نہ آئمہ کا اور

(۱) سیدھا جنت میں جائے گا (۲) جان چھوٹی ایک ایسے بے ہودہ انسان سے دنیا پاک ہوئی (۳) ایسی بے ہودہ حکایات کے مطابق اولیاء، اللہ کو خدا سے بڑھا دیا جائے۔

بلکہ خود حضور ﷺ کی شان میں خشک الفاظ استعمال کرتے ہیں بس ظاہراً اطاعت تو کرتے ہیں اور بدعات سے بھی بچتے ہیں۔ مگر نہ عظمت جیسا بیان ہوا اور نہ وہ سوز و گداز جو محبت میں ہوتا ہے۔ غرض اس وقت یہ تین جماعتیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ جو محبت رکھتے ہیں مگر اتباع و عظمت نہیں۔

۲۔ ایک وہ جو عظمت کرتے ہیں لیکن محبت و اتباع نہیں۔

۳۔ ایک وہ جو اتباع کرتے ہیں مگر عظمت و محبت نہیں۔

سو یہ تینوں جماعتیں پورے حقوق ادا نہیں کرتیں۔ کسی نے ایک کو لیا دو کو چھوڑا، کسی نے دو کو لیا تیسرے کو چھوڑا، علی ہذا جامع وہ شخص ہے جو حضور ﷺ کی محبت و متابعت میں عظمت میں سرافگندہ(۱) رہتا ہو۔

ترجمہ وتفسیر آیت

بس اس آیت میں یہی مضمون ہے آیت کا ترجمہ پہلے کرنا چاہئے تھا لیکن تمہید میں مضمون طویل(۲) ہو گیا اب ترجمہ کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں حق تعالیٰ شانہ۔

قد انزل اللہ الیکم ذکرا☆ رسولاً الخ(۳)

اس کی توجیہ میں اختلاف ہے ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ذکر کی تفسیر قرآن مجید سے کی جائے اور ذکر کا بدل الاشتمال ہے رسول اور ایک توجیہ ہے کہ ذکراً کے معنی ہیں شرفاً کے اور رسولاً اس سے بدل الکل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک شرف نازل کیا سو شرف کا لفظ عظمت کو ظاہر کر رہا ہے۔ وہ کون ہیں رسول ہیں۔

---

(۱) آپ سے سچی محبت اس کو کہتے ہیں جو آپ کی محبت عظمت اور پیروی میں ڈوبا رہے (۲) لمبا (۳) سورۃ الطلاق آیت ۱۰، ۱۱ (۴) لفظ انزل کے ذکر کرنے سے بھی حضور ﷺ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔

''انزل'' بھی آپ کے شرف پر دلالت (۲) کر رہا ہے کیونکہ انزال اوپر سے نیچے آنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تھی تو اونچی رکھنے کی چیز بوجہ شرف کے، مگر تمہاری خاطر سے نیچے بھیج دیا ہے۔ اس صورت میں آپ کا شرف در شرف (۱) ظاہر ہو گیا۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ دوسرے موقع پر قرآن شریف میں ہے وانزلنا الحدید کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا حالانکہ وہاں اوپر سے نیچے آنا نہیں پایا جاتا کیونکہ لوہا آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا وہ تو زمین سے نکلتا ہے اسلئے انزال کے معنی اوپر سے نیچے آنے کے کہاں ہوئے؟

جواب یہ ہے کہ وہاں مجاز ہے تعذر حقیقت کے سبب (۲) سے اور قد انزل اللہ الیکم ذکرا میں تعذر نہیں (۳) ہے۔ اس لئے حقیقت مراد ہے۔ دوسرے کسی نے اس کی بھی توجیہہ کی ہے کہ حضرت آدم کے ساتھ کئی چیزیں آئیں ہتھوڑا تھا اور وہ اوپر ہی سے آئی تھیں۔ تیسری توجیہہ یہ کہ حدید (۴) نکلتا ہے زمین سے اور سبب اس کا بخارات ہیں جو پانی سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی اوپر سے آتا ہے اور زمین میں نفوذ (۵) کرتا ہے۔ سو اس طرح وہاں بھی معنی حقیقی ہی ہیں۔ غرض حقیقی معنی انزال کے اوپر سے آنے کے ہیں اور انزال کا کلمہ بارش کیلئے بھی آیا ہے۔ سو آپ کے لئے اس کا استعمال ہونا یہ اشارہ اس طرف بھی ہے کہ آپ کی شان بارش کی سی ہے کہ وہ بھی رحمت ہے اور آپ بھی رحمت ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے انا رحمۃ مہداۃ یعنی

---

(۱) اسطرح آپ کی ذبل بڑائی ظاہر ہوئی (۲) کیونکہ انزال کے حقیقی معنی مراد لینے یہاں مشکل ہیں تو مجاز کے معنی مراد ہوں گے اور یہ اصول ہے کہ جہاں لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے میں مشکل ہو تو مجازی معنی مراد لیتے ہیں (۳) حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی اشکال نہیں (۴) لوہا (۵) جذب ہو جاتا ہے۔

میں خدا کی رحمت ہوں جو بندوں کے لئے خدا کے پاس سے تحفہ کر کے آیا ہوں۔اس سے معلوم ہوا کہ حضورﷺ کی خاصیت بارش کی سی ہے چنانچہ بارش سے حیات ہوتی ہے ارض کی اور آپ سے حیات ہوتی ہے قلب کی۔

ایک شعر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایسے ہی موقع پر پڑھا تھا کہ کسی نے آپ سے مسئلہ مولد کے متعلق پوچھا تھا۔آپ نے فرمایا ہم مولد پڑھتے ہیں اور یہ شعر پڑھا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین یعنی آئے رحمت للعالمین

اس شعر سے میرے اس مضمون کو اور توعت ہوگئی۔غرض ذکر میں آپ کی عظمت(۱) کی طرف اشارہ ہے رسولاً میں متابعت(۲) کی طرف کیونکہ ایک مدار متابعت کا رسالت ہے(۳) اور ''آمنوا'' میں محبت کی طرف۔کیونکہ ایک آیت ہے

والذین امنوا اشد حباً للّٰہ(۴)

اور حب اللہ اور حب الرسول میں تلازم(۵) ہے تو جس طرح ایمان کے لئے اللہ کی شدید محبت لازم ہے اسی طرح رسول کی شدت محبت آگئے ہے۔''مبینات'' یعنی خود ظاہر بھی اور ظاہر کرنے والی بھی۔آگے ارشاد ہے ''لیخرج الذین۔الخ ''لیخرج'' میں لام غایت کا ہے۔مطلب یہ ہے کہ کیوں بھیجا حضورﷺ کو اس لئے کہ حضورﷺ سے برکات حاصل کریں۔

---

(۱) بڑائی (۲) پیروی کرنے کی طرف (۳) آپ کا رسول ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی پیروی کی جائے (۴) سورۃ البقرہ آیت ۱۶۵ (۵) اللہ کی محبت رسول کی محبت کیلئے لازم وملزوم ہے (۶) وہ تو ظلمت سے نکل کر نور میں خود ہی آجائے گا (۷) پھر اس کے نکالنے کے کیا معنی۔

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جو ایمان اور عمل صالح کے ساتھ موصوف ہوگا وہ تو خود ہی خارج من الظلمات الی النور (۶) ہوگا۔ پھران کے خارج (۷) ہونے کے کیا معنی؟

سو مطلب ہے کہ جو لوگ ظلمت سے نور کی طرف خارج ہوئے ہیں وہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے ہوئے ہیں یعنی یہ برکت ایمان اور اعمال صالحہ ہی کی ہے کہ وہ تاریکی سے نور کی طرف لے آئے ہیں۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ کے پورے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ یعنی ذکر بھی کریں، محبت بھی کریں، متابعت بھی ادب وتعظیم بھی۔ آگے آیت میں خاصیت ایمان اور اعمال صالحہ کی بیان فرماتے ہیں۔ ومن یومن باللہ۔ مطلب یہ ہیکہ ایمان اور اعمال صالحہ کر کے کیا ملے گا۔ بشارت دیتے ہیں کہ یہ ملے گا۔

یدخلہ جنت تجری من تحتہا الانہر خالدین فیہا ابدا قد احسن اللہ لہ رزقاً

یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کا یہ ثمرہ (۱) ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جنت میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور خالدین فیہا ابدا (۲) کہ وہ نعمتیں بلا حساب اور بلا انقطاع (۳) ہوں گی۔ یہی دو صورتیں کمال نعمت کی ہوتی ہیں کہ نفیس اور عمدہ بھی ہو۔ اور بلا انقطاع بھی ہو۔ کہ مزیت کتنا ہے سو یہ جنت میں حاصل ہوگا۔

(۱) نتیجہ ہے (۲) اور اس میں ہمیشہ رہیں گے (۳) وہ نعمتیں لاتعداد ہوں گی اور کبھی ختم نہیں ہونگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے اس لئے بھیجا کہ آپ کے جملہ حقوق ادا کر کے جنت کی نعمتیں حاصل کریں، اور اگر حقوق ادا نہ کئے برائے نام تھوڑی سی تعریف کر لی جائے یا محفل منعقد کر لی جائے اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ مثلاً طبیب کی تعریف سے کیا فائدہ؟ جب تک اس سے نسخہ لکھا کر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور اس کے کہنے پر عمل نہ کیا جائے اور یہ حقوق آپ کے دائمی ہیں۔ تو آپ ایسی بارش کے مشابہ نہیں جو کسی خاص موسم میں ہو۔ حضور ﷺ ایسی بارش ہیں کہ جس سے ہمیشہ بہار ہی بہار ہے کبھی خزاں ہی نہیں۔ یہ نہیں کہ ربیع الاول میں تو بہار ہو اور مہینوں میں نہ ہو۔ حضور ﷺ کی بہار جو حیات میں تھی وہ اب بھی بحال(۱) ہے۔

اب میں اس مضمون کے مناسب اس شعر پر اس وعظ کو ختم کرتا ہوں۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشان ست خم و خم خانہ با مہر و نشان ست(۲)

محروم ہے وہ شخص جو ایسے نبی کی برکات حاصل نہ کرے۔ دعا کیجئے کہ حضور ﷺ کی محبت نصیب ہو، متابعت کی توفیق ہو اور آپ کی عظمت ہو قلب میں اور اس وعظ کا نام بمناسبت کلمات قرآنیہ کے ''ذکر الرسول'' مناسب ہے اور لقب اس کا بمناسب آپ کی معنوی برکات کے جو مشابہ میں باراں و بہار کے ''المربیع فی الربیع'' مناسب ہے۔ (پھر دعا کر کے جلسہ ختم ہوا)۔

---

(۱) جیسی آپ کی بہار آپ کی زندگی میں تھی ویسی ہی اب بھی ہے (۲) آپ کا ابر کرم اب بھی اپنی رحمتوں کی بارش برسا رہا ہے شراب و پیمانہ آپ کی مہربانیوں کی علامت ہے۔ خلیل احمد تھانوی۔